

آؤ لو گو کہ عین نور خدا پاؤ گے لو متین طور نشلی کا بتایا ہمنے

# رولوا فریضہ

## دنیکاندا سہب پر

جلد ۴ بابت ماہ اگست ۱۹۵۵ء نمبر ۸

### فہرست مضامین

غلامی..... ۲۹۱	..... بحواب پادری میل (متعلق اسلام ۲۲)
۱۔ اسلام سے پہلے غلامی کی حالت۔ ۲۹۱	انگلستان میں خلاق اور مذہب کا نوال ۳۲۲
۲۔ اسلام میں غلاموں کی سلوک ۲۹۸	زلزلوں کی پیشگوئیاں ۳۲۸-۳۳۰
اسلام (۲) ۳۲۲-۳۰۹	روایا والہامات حضرت مسیح موعودؑ ۳۳۰

# شکایت

میرادل گوارانہ کرتا تھا کہ ایک شائع شدہ تحریر کے ذریعہ سے اپنے بھائیوں کی شکایت کروں مگر واقعات اس  
تحریر کیلئے مجھے مجبور کیا ہے اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ چونکہ یہ میرا ذاتی معاملہ نہیں بلکہ قوم کا ہی نقصان ہو رہا ہے  
اسلئے ضروری ہے کہ قوم کو اس حالت کی اطلاع دوں۔ اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت پر زور الفاظ  
میں اپنی تمام جماعت کو اس رسالہ کی خریداری اور اعانت کے لئے تحریک کی تھی اور یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اس سالہ  
کی تعداد اشاعت اپنی جماعت میں کم از کم دس ہزار ہونی چاہیے۔ چنانچہ آپ کے اس مبارک ارشاد کے آخری لفظ یہ تھے  
کہ ”اگر بیعت کر نیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا بڑی  
بات نہیں ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے۔“ مگر اس وقت میں اس شکایت  
کو پیش نہیں کرتا کیونکہ دس ہزار کی جگہ ایک دو ہزار بھی تعداد پوری نہیں ہوئی افسوس یہ ہے کہ بعض صاحبان جنہوں  
نے اس وقت خریداری منظور کی۔ محوٹے دنوں کے بعد انکا جوش یہاں تک ٹھنڈا ہو گیا کہ چھوٹے چھوٹے عذر و تیر رسالہ  
بند کرنا شروع کر دیا۔ خیر یہ بھی اچھا ہوا۔ مگر بہت سے اجاب ایسے ہیں کہ رسالہ خریدتے بھی رہے لیکن جب قیمت طلب کی  
گئی تو جواب دیا میں یہ نہیں کہتا کہ واقعی انکا یہ منشاء ہے کہ قیمت بھی ادا نہ کریں۔ مگر ایک شخص کو جسکے سپرد یہ ذمہ داری کا  
کام ہو یہی قیاس کرنا پڑتا ہے اول تو خود قیمتوں کے دفتر میں موصول ہوئی کا انتظار کیا جاتا ہے پھر بعد انتظار کے  
اطلاعی پوسٹ کارڈ بھیجے جاتے ہیں کہ فلاں تاریخ تک قیمت دفتر میں آجانی چاہئے ورنہ پرچہ کو دی پی کر کے قیمت وصول کیا جاوے  
گی۔ ان کارڈوں کا جواب تو عموماً کچھ نہیں دیا جاتا مگر جب اسقدر احتیاط کے بعد وہی کیے جاتے ہیں تو نہایت افسوس کے گنا  
پڑتا ہے کہ دو تہائی دی پی انکاری ہو کر آتے ہیں اور یوں دفتر کو سخت نقصان پہنچا جاتا ہے اگر کسی صاحب کو اپنے حساب  
میں کوئی غلطی معلوم ہو یا روپیہ موجود نہ ہو تو کس قدر سیدی بات ہے کہ اطلاعی کارڈ کے پہنچنے ہی جواب لکھ دیا کریں۔ ایک ایک  
دی پی کے انکاری ہونے میں دو دو آنہ کا نقصان دفتر کو ہوتا ہے اور یوں اگر ہر مہینہ میں سووی پی بھی انکاری ہو کر  
آوے تو ساڑھے باران روپے ماہوار یا ڈیڑھ روپیہ سالانہ کا یہ نقصان ہو گیا قوم اس نقصان کو ملکا سمجھ کر اگر کرتی  
ہے ہا اگر نہیں تو سب اجاب کو چاہئے کہ اس نقص کے رفع کرنے میں کوشش کریں جس صورت میں خصوصیت کے دفتر سے اطلاعی  
کارڈ قبل ہی پی بھیجنے کے روانہ ہوتے ہیں تو سکاڑے اور کیا ہو شخص سستی سے یا عہدہ دفتر کو نقصان پہنچا جاتا ہے اگر کوئی اور مزید  
احتیاط دفتر کی طرف سے ہونی چاہئے تو میں اسکے سننے کا منتظر ہوں اور اس عمل کرونگا۔ کیونکہ مجھے اسقدر قومی نقصان سے سخت رنج  
پہنچتا ہے۔ اگر کوئی وجہ عذر ہو تو چاہئے کہ فی الفور کارڈ کے پہنچنے کے ساتھ اس سے مطلع کر دیا کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی سؤلہ الکریم

غلامی

## ۱۔ اسلام سے پہلے غلامی کی حالت

جن لوگوں نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انہوں نے اسکی ایسی تفسیر کی ہے اور اسے سرتاپا ایسا غریبوں سے خالی اور مضرات سے پریشانیت کر کے دکھائی کی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہو کہ اس مضمون پر قلم اٹھائے اور جسکا مقصد یہ ہو کہ ہر شے کی تہ تک پہنچے اور بدی پر اس وقت بھی اعتدیل بھیجے کیلئے تیار ہو جب وہ نیکی کا لباس پہن کر نکلے اور نیکی کی اس وقت بھی تعریف کر نیکی کے لیے آمادہ ہو جب دنیا اس نیکی کو برا سمجھ رہی ہو۔ اس کا یہ فرض ہے کہ ابتدائیں ہی اس غلط فہمی کو دور کر کے غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا جس سے قایدہ کوئی نہ تھا بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا۔ میں اس سلسلے کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا۔ حق یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی اپنی تدریجی ترقی میں ایسی حالتوں سے ہو گزری ہے کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے میں نہ صرف وہ حق پر ہی تھی بلکہ ضروری غور کرو تو دل میں ایک دہشت سی پیدا کرتے ہیں مگر تاہم بہت سی اغراض ترقی کیلئے ان کا جاری رہنا ضروری ہے جس وقت ایک فقیہ جبرئیل بٹے بٹے جہازوں کو جن پر ہزار انسان لکے چسیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہیں ایک دم میں غرق کر کے سمندر کی تہ میں پہنچا دیتا ہے یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کر کے بیشمار بے گناہ عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی اسکی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں آتا۔ مگر ہر حالت میں یہ کہنا جائز نہ ہو گا کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بیرحم انسان ہے وہ لوگ جو اپنی رحمدلی کے سبب ایک انسان کے قتل کو بدداشت نہیں کر سکتے اور اسکے واقعات کو سن کر کانپ اٹھتے ہیں ہی

۲۔ غلامی کے حالات میں غلامی کا رواج ہوتا۔ دنیا میں ایسا بہت سے رواج اب تک چلتے آئے ہیں جن پر

دوسرے موقع پر ہزار ہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھ کر کبھی لرز نہیں کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش ہوتے ہیں جنگوں کا ہونا انسانی سوسائٹی کی ضروریات میں سے رہا ہے اور اب تک یہی حال ہے۔

جون جون انسانی گذشتہ تاریخ کو مطالعہ کیا جاوے یہ معلوم ہوگا کہ لڑائیاں انسان کی ابتدائی ترقی میں اس کی موجودہ حالت سے بڑھ کر ضروری رہی ہیں اور انہیں جنگوں کے لوازمات میں سے ہی غلامی بھی ہو یا تختی۔ بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی میں ایک عظیم مرحلہ تھا کیونکہ اس راج کے ساتھ وہ سیرجی جاتی رہی جس کے رو سے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے ہوں قتل کیے جاتے تھے چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے ”مگر اس بات کو ابھی تک لوگوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا کہ پچھلی تمدنی تدریجی ترقی میں جنگ ایک ضروری فرض کو ادا کر نیوالی تھی اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ متفرق قومیں ایک ہو جاویں اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ مخالفین میں سے جو لوگ پکڑے جاویں وہ ایک ماتحتی کی حالت میں رکھے جاویں تا دو بارہ اس قوم کو سہاڑنے کی طاقت نہ ہو اور یوں جنگ کا اصل مقصد حاصل ہو۔ دوم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابتدائیں انسانی سوسائٹی میں محنت اور مشقت کے کاموں سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالف لوگوں کے درمیان آکر رہیں گے تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کریں گے اس لیے ضروری ہوا کہ انکو غلام بنا کر ان سے کام لیا جائے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کمزور کیا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم میں بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر ایک ملک میں جس کا ہمیں علم ہے یہی نظر آتا ہے کہ زبردستوں نے مجبور کر کے زیر دستوں کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاقہ کے کام لیے ہیں اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادات میں وہ امر داخل ہو گیا امراول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشیتھے اور غلام محنت کا کام کر نیوالے لوگ تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے لیے بطور معاون تھے اور ایک کا وجود دوسرے کے سہارے اور سہائش کیلئے اور اسکے کام پیر لگا رہنے کیلئے ضروری تھا۔ اور یوں بغیر مقابلے اور جھگڑے کے وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہو کر انسانی سوسائٹی کی ترقی کے ذریعہ تھے“

اسیران جنگ کے قتل کی بجائے انکے غلام بنالینے کے رواج کی تدریجی ترقی اسرائیلی مشرعیّت میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اسیران جنگ کو الگ چھوڑ کر اول تو یہی حکم ہے کہ ”جو کوئی فقط خداوند کے سوا کسی معبود کے لیے قربانی کرے وہ عذاب کا مار ڈالا جاوے“ (خروج ۲۲)۔ ایسا ہی استثنا ۱۳-۱۲-۱۱ میں یہ حکم ہے کہ جس شہر کے لوگ غیر معبود کی پرستش کر نیوالے ہوں ”تو تو اس شہر کے باشندوں کو تلوار کی دھار سے ضرور



قتل کر دیا اور اس کی ساری لوٹ کو وہاں کے کوچے کے بیچ بیچ اکٹھا کر لیا اور اس شہر کو اور وہاں کی لوٹ کو خداوند اپنے خدا کے لیے آگ سے جلا دیا اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلا ہو گا پھر بنایا نہ جائیگا! پھر استثنائاً ۲۰-۱۶ میں یہ لکھا ہے ”لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو۔ حتیٰ اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے“ یہ احکام عمل میں بھی آتے رہے چنانچہ گنتی ۲۱ میں مذکور ہے ”چنانچہ خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کر دیا اور انہوں نے انہیں اور ان کی بیٹیوں کو حرم کر دیا“ اور حرم کر دینے سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک جائداد شے کو ہلاک کر کے تباہ کر دینا) پھر قاضیوں ۱۶ میں لکھا ہے ”اور انہوں نے ان کنعانیوں کو جو صفت میں رہتے تھے جابارا اور شہر کو حرم کر دیا“ ایسا ہی دیکھو قاضیوں ۱۶-۱۱ جہاں لکھا ہے ”اور انہیں حکم دیا کہ بیس جلعاد کے باشندوں کو جا کے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو“ لیشوع ۲۶ ”پھر انہوں نے اس شہر کو اس سب سمیت جو اس میں تھا پھونک دیا“ اسوئیل ۱۱ ”سواب توجا اور عالیق کو مارا اور سب جو کچھ کان کا ہے یک لخت حرم کر دیا اور اپنی رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت نئے بچے اور شیر خوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر“ اتواریخ ۱۴ ”اور معونیم کو جو وہاں ملے قتل کیا ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہیں“ معلوم نہیں ان پادریسا جہاں کو ایسے ایسے واقعات پڑھ کر کچھ شرم آتی ہے یا نہیں جو اسلام پر ایسے اعتراض کرتے ہیں کہ اپنی حفاظت کیلئے بھی تلوار کیوں اٹھائی گئی۔ خیر یہ تو مجملہ معترضہ ہے اسرائیلی شریعت کو غور کی نگاہ سے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ اسیران جنگ کو بجائے قتل کر نیے غلامی میں لینے کا نرم قانون بھی مروج ہوا نظر ہو گیا تھا اور یوں ان کی زندگی بچ کر وہ اپنے آقا کی خدمت میں زندگی بسر کرتے اسی لیے غلامی کا قانون بھی حضرت موسیٰ کی شریعت میں پایا جاتا ہے مگر عام رسم اس زمانہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مردوں کو قتل کر دیا جاتا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جاتا دیکھو استثنائاً باب ۲۰-آیت ۱۰-۱۴۔ مگر اسرائیلیوں کے درمیان صرف جنگ ہی غلام بنانے کا ذریعہ نہ تھی بلکہ وہ دوسری قوموں کے ساتھ غلاموں کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے اور بعض ایسی اقوام کے قریب قریب آباد تھیں جو غلامی کی تجارت میں بہت مشہور تھیں۔ اس ذریعہ سے غلاموں کی کثرت ہو گئی۔

مگر اسرائیلی شریعت میں غلام کی الٹ ایسی خراب نہ تھی جیسا دوسری بعض قدیم اقوام کے اندر کل شامی قوموں کے درمیان غلام کو خداؤں کا ایک نمبر سمجھا گیا ہے اور اسی لیے ان اقوام کے اندر آقا کا سلوک غلام کے ساتھ عموماً نرم رہا ہے۔ اگرچہ مالک کو مالک پر ہر طرح سے اختیار حاصل تھا مگر وہ اسکو جان سے نہیں مار سکتا تھا صرف ایک استثنائاً تھی جو خروج باب ۲۱-آیت ۲۰-۲۱ میں مذکور ہے ”اور اگر کوئی اپنے غلام یا اونڈی کو مارے گا تو اسے مارے

۴ اور اسے اور سب کچھ جو اس شہر میں ہے اور وہاں کے مواسمی کو تلوار کی دھاری سے نیست و نابود کر دیا

اور وہ لاکھیاں کھاتی ہوئی مر جائے۔ تو اسے سزا دی جائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیوے تو اسے سزا نہ دی جائے۔ اس لیے کہ وہ اسکا مال ہے۔ اگر آزاد آدمی کسی دوسرے کے غلام یا لونڈی کو مار دیتا تو صرف خون بہا مالک دینا ہوتا تھا (خروج باب ۲۱-آیت ۳۲)۔ جو غلام قوم اسرائیل کے تھے اسے غیر اسرائیلیوں کی نسبت عمدہ سلوک ہوتا تھا۔ چھ سال غلام رہنے کے بعد وہ بغیر فدیہ دینے کے آزاد سمجھے جاتے تھے (خروج باب ۱-آیت ۲) مگر عبرانی لونڈی کے ساتھ غیر اسرائیلی غلام شادی نہ کر سکتا اور مالک یا مالک کا بیٹا ہی اس پر تصرف کر سکتا تھا۔ اسرائیلی غلام جب چھ سال بعد آزاد ہوتا تو مالک کو یہ بھی حکم تھا کہ اسے جاتے وقت کچھ ساتھ بھی لے (استثنا باب ۱۵ آیت ۱۳ و ۱۴) مگر دوسرے غلاموں کو ان حقوق میں سے کوئی حق حاصل نہ تھا۔ ان اس کو عبادت میں شریک کر لیا جاتا سو اسکی ہڈی اور وجہ یہ تھی کہ وہ کسی اور طرح پرستش کرنے کا مجاز ہی نہ تھا۔ بہر حال یون خاندان میں شامل ہو جائیے غلام کو فائدہ ضرور پہنچتا تھا۔

یونانیوں اور رومیوں میں غلامی کے متعلق بھی چند لفظ بے موقعہ نہ ہونگے۔ یونان میں اسیران جنگ کے علاوہ کئی طرح سے لوگ غلام بنائے جلتے تھے آزادان باپ اپنے بچے کو بچہ غلام بنا جیتے تھے اسکے علاوہ اور غلام بھی بازار میں بکے کیلئے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ چڑا کر یا زبردستی چھین کر بھی غلام بنا لیے جاتے تھے۔ یونانی تہذیب کے بڑے بڑے مرکزوں میں غلاموں کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ایٹھ سو تین ۲۱۰۰۰۰ اصل باشندہ کی آبادی میں چار لاکھ غلاموں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ کارٹھین چار لاکھ ساٹھ ہزار۔ ایجائنا میں چار لاکھ ستر ہزار غلاموں کی آباد بتائی جاتی ہے۔ بعض مورخوں نے ان اعداد میں کسی قدر مبالغہ بیان کیا ہے مگر کم سے کم اندازہ جو غلاموں کی آبادی کا کیا گیا ہے اسکے رو سے بھی غلاموں کی آبادی آزاد آبادی سے ملنی بیان کی جاتی ہے۔

رومیوں کے درمیان غلامی کا اصل منبع جنگ ہی تھی۔ مگر چون چون دولت بڑھتی گئی غلاموں سے خدمت لینے کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی گئی اور یہ ضرورت دو طرح سے پوری ہوتی رہی یعنی ایک حد تک اسیران جنگ کی تعداد میں یونانیوں کا ترقی ہوتی گئی اور دوسری طرف غلامی کی تجارت شروع ہو کر خرید کے ذریعہ سے غلام آنے لگے۔ انسکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ ”ایمپیرس میں ایسیلیس پالس کے فتوحات کے بعد ایک لاکھ پچاس ہزار قیدی بیچے گئے۔ دو اور مقاموں پر بھی جنگ کے قیدیوں کی تعداد اس قدر بیان کی گئی ہے۔ سیر نے ایک ہی موقع پر تیر لاکھ ہزار قیدی فروخت کیے گسٹس نے سلاسی کے ملک میں چوالیس ہزار قیدی گرفتار کیے۔ قحط اور تکلیفوں اور اکھاڑوں کی ہلاکت کے بعد بھی یہودی جنگ میں ستانوے ہزار غلام بنائے گئے۔ ایک سو چھیالیس قبل مسیح اور شت لاکھ عیسوی کے درمیان کے زمانے میں بحساب اوسط ہر ایک آزاد کے لیے تین غلام تھے جسے کل آزاد آبادی انتہا لاکھ چوالیس ہزار اور غلاموں کی آبادی دو کروڑ آٹھ لاکھ تھیں ہزار تھی۔ امر کے پاس غلاموں کی ایک خاصی قوج

جمع ہوتی تھی۔ آگسٹس کے زمانے میں ایک شخص چار ہزار ایک سو سو روئے غلام چھوڑ کر مراد معلوم ہوتا ہے یونان اور اٹلی میں اس زمانے میں وسیع پیمانے پر غلامی کی تجارت ہوتی تھی۔

رومی سلطنت کی نسبت یونان میں غلاموں کی حالت اچھی تھی مگر یونان میں بھی ان غلاموں کے علاوہ جنہو گھر کے کام لیے جاتے تھے دوسرے غلاموں سے سخت محنت لی جاتی تھی جو غلام زراعت کے کام میں لگائے جاتے تھے انکو اکثر زنجیریں ڈال کر کام پر لگایا جاتا تھا۔ اور ان سے محض چار پانچ روئے کا سالوک ہوتا تھا۔ غلاموں اور عورتوں کی شہادت ان کو سخت اذیت پہنچا کر لی جاتی تھی اگر غلام کا کوئی عضو کاٹ دیا جاتا یا اسے کوئی ضرب شدید پہنچائی جاتی تو غلام کو کوئی حق نہ پہنچتا بلکہ اس کا معاوضہ مالک کو دلایا جاتا تھا۔ رومی قانون کے بموجب مالک کو ملک پر پورا حق حاصل تھا یعنی جو چاہے اسے کرے یہاں تک کہ اسے جان سے مار ڈالنے کا بھی اسے حق حاصل تھا جب غلاموں کی تعداد ترقی کر گئی تو چونکہ انکے کام کی نگرانی کا انتظام عمدہ نہ ہو سکتا تھا اس لیے یہ تجویز کی گئی کہ کام کے وقت غلام کو زنجیریں ڈال دی جائیں اور یہ قاعدہ یہاں تک وسیع ہوا کہ دروازہ پر جو غلام محافظ ہوتا اسکو بھی زنجیریں ڈال دی جاتیں اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات غلاموں نے نیک سلوک بھی کیا جاتا تھا۔ مگر غلاموں کی عام حالت نہایت ہی ذلیل اور بری تھی۔ ہلکی سبز جو غلاموں کو دی جاتی تھی وہ یہ بھی کہ قصبہ سے نکال کر انکو دیہات میں مزدوری کے کام پر لگایا جاتا اور سخت سزا دی جاتی کہ انکو کارخانوں یا گاؤں وغیرہ میں کام کر سیکے لیے بھیجا جاتا جہاں مرد اور عورتیں ملے جلے قریباً تین گروہ بن دے ہوئے۔۔۔۔۔ سپاہیوں کی حفاظت اور کوڑوں کے نیچے کام کرتے تھے آگسٹس کے زمانے میں ویڈیس پالیو کا ذکر ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے قصوروں پر بلکہ اتفاقی غلطی کی وجہ سے بھی اپنے غلاموں کو بحری اتر دیاؤں کے آگے ڈالتا تھا۔ رومی سلطنت کے اندر ہی عیسائی مذہب بھی پیدا ہوا۔ اور اگر اسکا مشن غلاموں نے حسن سلوک کا ہوتا تو سب سے اول ہی ملک تھا جو اس کی ایسی تعلیم کا محتاج تھا کیونکہ جسطہر غلاموں کی حالت رومی سلطنت میں ابتر ہو رہی تھی ایسی اور کہیں نہ تھی انکے ساتھ سخت سے سخت اور ظالمانہ سلوک ہوتا تھا پس ایک مصلح کا پیدا فرض ایسی حالت میں یہ تھا کہ اگر انکی آزادی پر نہیں تو کم سے کم انکے ساتھ حسن سلوک پر ہی زور دیتا۔ اور ان مظالم کو جو غلاموں پر ہو رہے تھے کھول کھول کر بیان کرتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے اقوال میں جو اسی زمانہ میں وعظ کر رہے تھے ایک لفظ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے غلاموں پر ظلم کے متعلق انکا اظہار نا پسندیدگی کا پایا جاتا ہو۔ کم سے کم جو اقوال آپ کے اناجیل میں درج ہیں ان میں ایک لفظ بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں نہیں۔ اور نہ ہی مالکوں کو ان پر عیون اور ظلموں سے روکا گیا جو وہ غلاموں پر کرتے تھے۔ تب یہ ہے کہ سر ولیم میور جیسا موسخ اسلام پر یہ الزام دے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو دور نہیں کیا در آنحالیکہ اسے علم ہے کہ بانی عیسائیت نے اپنے سامنے وعظوں میں ایک دفعہ بھی ان مظالم سے لوگوں کو نہیں روکا جو اس کی آنکھوں کے

ساتھ غلاموں پر ہوتے تھے۔ حضرت مسیح کی اس خاموشی کا عیسائی مذہب پر یہ اثر ہوا کہ بحیثیت مذہب غلاموں پر ظلم اور ان کی گری ہوئی اور ذلیل حالت سے اس نے کبھی نفرت ظاہر نہیں کی۔ عیسائی صاحبان کا یہ دعوے ہے کہ چونکہ عیسائی مذہب نے بڑی بھاری تبدیلی جو دنیا میں کی وہ یہ تھی کہ سب انسان آپس میں بھائی ہیں اس لیے اسی تعلیم کا بالواسطہ اثر غلاموں کی حالت پر بھی پڑا اور اسکے ثبوت میں یہ امر پیش کیا جاتا ہے کہ عیسائیت کے زور پکڑنے کے ساتھ رومی سلطنت میں غلاموں کے ساتھ نرمی کا سلوک دن بدن بڑھتا گیا مگر اول تو پہلا دعوے ہی غلط ہے۔ یہ بات کہ سب انسان بھائی ہیں۔ تمام انبیاء کی تعلیم مشترک ہے اور مسیح سے پہلے سب نبیوں نے ہی تعلیم دی اور جب کے خدا نے شریعت دنیا میں نازل فرمائی ہے اسکے دھڑے ہی قرار دیئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک تعلق اور اسکی مخلوق سے نیک سلوک۔ عیسائیت نے ہرگز اس باب میں کوئی نئی تعلیم نہیں دی۔ باقی رومی سلطنت میں غلاموں کی حالت کا تدریجاً بہتر ہوتے جانا سوا اسکا عیسائیت سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ اصلاح تو عیسائی مذہب کے زور پکڑنے سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ دوسری صدی عیسائی میں جب ابھی عیسائی مذہب کو اپنی زندگی کا فکر ہی پڑا ہوا تھا۔ قانون کا میلان آزادی کی طرف شروع ہو گیا تھا۔ لڑکوں کے بچنے وغیرہ کے رواج بند ہو چکے تھے کسی انسان کو غلامی کے لیے چرانا ایسا سنگین جرم قرار دیا جا چکا تھا کہ جس کی سزا موت تھی۔ مالک سے غلام کو جان سے مار ڈالنے کا اختیار نہیں لیا گیا تھا۔ اور یہ ہیڈرین کے زمانے کا ذکر ہے جو شاہ عیسوی میں تخت پر بیٹھا اس بہت مدت پہلے شاہشاہ نیرو نے جو شاہ عیسوی میں تخت نشین ہوا عدالتوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ غلاموں پر جو ظلم کئے جاتے ہیں ان کے متعلق استغاثوں کی سماعت کی جائے۔ اب یہ سب تبدیلیاں جو قانون غلامی میں واقع ہو رہی تھیں یہ زمانہ کی اپنی رفتار کا نتیجہ تھیں اور عیسائی مذہب کو اسے کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ عیسائی مذہب کی اپنی بنیاد ابھی متزلزل تھی اور اسکا اثر پڑنا شروع نہ ہوا تھا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائی مذہب بجائے اپنے گرد و پیش کے خیالات پر اثر ڈالنے کے ہمیشہ دوسروں کے خیالات سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ اسکے بنیادی اصول ہی اکثر ان کفار قوم سے لیے گئے ہیں جن کے درمیان یہ مذہب پیدا ہوا پھر اسکا اثر دوسرے رواجوں پر کیا ہوتا تھا۔ خصوصاً اس حالت میں جب اسکے بانی مسیح ایک فقط بھی غلامی کے دور کرنے یا غلاموں سے حسن سلوک کرنا کے متعلق نہ نکلا ہو۔ نیک اثر تو ایک طرف رہا بیان تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تغیر خود رفتار زمانہ سے غلاموں کی بہتری کا پیدا ہوا تھا اسکو عیسائی مذہب نے ترقی دینے کی بجائے بہت کچھ روکا۔ چنانچہ رومی عیسائی بادشاہوں نے بعض قوانین سے یہ ترقی معکوس صاف معلوم ہوتی ہے مثلاً بچوں کی فروخت کو روکنے کا قانون پہلے پاس ہو چکا تھا مگر قسطنطین نے اس قانون کو منسوخ کر کے پھر اس بات کو مروج کر دیا کہ آزاد



والدین اپنے بچوں کو بیچ کر غلام بنا سکیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سی غلامی کی سختیاں عیسائیت کی ترقی سے دور ہو گئیں اس کی اصل حقیقت میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اصلاح تو پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور اسی رفتار سے تدریجاً ہوتی چلی گئی اور عیسائیت نے اس میں کوئی خاص حصہ نہیں دیا نہ ہی کوئی خدمت قابل تعریف کی ہے۔ باقی ہی عیسائیت کی وعظ کہ تمام انسان بھائی ہیں جس سے بڑے لمبے چوٹے نتیجے نکالے جاتے ہیں سو یہ محض خشک الفاظ ہی رہے ہیں اس کے ثبوت کیلئے ایک عیسائی شہادت کو پیش کرتا ہوں۔ ”مذہبی اخوت جیسی آج کل اسلام میں ایک واقعی طاقت ہے ایسی ہی یہودیوں میں بھی ایک واقعی طاقت تھی۔ اور عیسائیت کی مذہبی اخوت کے ادعا کی طرح خالی دعوے ہی دعوے اور خشک لفظ ہی نہیں تھے“ (دیکھو انسکلو پیڈیا بلیکا کالم نمبر ۶۵۸) اور پھر جب ہم غلاموں کے بارے میں اس سنگدلی اور بربریتی کو دیکھتے ہیں جس کا اظہار کھارٹونین ہوتا تھا۔ اور جو پورے زور شور کے ساتھ جیشین کے وقت تک جاری رہی تو اور بھی اس دعوے کی حماقت کی شہادت ملتی ہے۔

ایک طرف قدیم زمانے کی دو بڑی مہذب اقوام یعنی رومیوں اور یونانیوں میں اور دوسری طرف قدیم زمانے کے دو بڑے مذہبوں یعنی یہودیت اور عیسائیت میں غلاموں کی حالت پر غور کرنے کے بعد ہم اس قابل ہیں کہ ان مضمرات کو سمجھ سکیں جو رواج غلامی سے پیدا ہوتے تھے۔ کیونکہ جہاں ایک طرف قدیم سوسائٹی قائم ہے۔ دوسری طرف اسکی بعض قباحتیں بھی صاف نظر آتی ہیں جن کے دور کرنے کے بغیر غلامی انسانوں کے لیے واقعی لعنت کہی جاسکتی ہے۔ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کو اول تو جاہل اور تمام علوم سے محض نااہل رکھا جاتا تھا۔ پھر ان کے ساتھ سخت ظلم کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو صرف حقیر کام کرنے کے لیے اور ذلت میں زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہے اور انکو محض حیوانوں کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف مالک کو ملوک پر کلی اختیارات حاصل ہونے کی وجہ سے مالک ایک چھوٹے سے ظالم بادشاہ کی طرح ہوتا تھا پس اخلاقی لحاظ سے اور ایک حد تک تمدنی پہلو میں غلامی کے رواج کا اثر بہت ہی برا تھا اور سب سے بڑی اور ضروری اصلاح جس کا یہ رواج محتاج تھا وہ مالک اور مملوک کے تعلقات کے متعلق تھی۔ اس میں شک نہیں کہ نسبتاً سریلی شریعت میں بہت کچھ نرمی غلاموں کے ساتھ کی گئی تھی۔ مگر عام اثر غلامی کا یہ ہو گیا تھا کہ مالک کے ساتھ سخت دلی اور مملوک کے ساتھ ذلت لگی ہوئی تھی۔ عیسائی مذہب نے باوجود ان بڑے بڑے دعوے کے جو آج پلادریا جان منسروپ چڑھ کر رہے ہیں۔ ان مضمرات کے روکنے یا انکی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بتائی۔ ایسے میں ان دوسری اصلاحوں کو بیان کرنے سے پہلے جو غلامی میں اسلامی قانون اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیں۔ یہ بیان کر دیتا کہ غلاموں کے ساتھ کیسا حسن سلوک اس پاک شریعت نے چاہا ہے۔ اتنا اور غلام کے باہمی تعلقات میں عظیم الشان اصلاح اسلام نے کی ہے

م میں غلامی کے رواج کے جاری رہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جیسا کہ تمام اقوام کی مختلف شہادتیں

اور اسی ایک اصلاح نے غلامی کی تمام بدیوں اور مضرات کو جڑ سے کاٹ دیا اور خاص اغراض کیلئے ایک نہایت ہی محدود دائرے میں غلامی کی برداشت کر کے حسن سلوک کے متعلق ایسی شرائط لگادیں جنہوں نے غلامی کی تمام اخلاقی اور تمدنی مضرات کو بچ دینا کھار دیا۔

## ۲- اسلام میں غلاموں سے سلوک

یہ ایک امر واقع ہے جس کی تصدیق روزمرہ واقعات سے ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں مالک اور مملوک کا تعلق مغرب میں آفاقی اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہیں وہ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ حقارت ان مغربی اقوام میں سب سے بڑھی ہوئی ہے جن کو اس بات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غلامی کے نام کو تو انہوں نے دور کر دیا ہے مگر اس کی حقیقت اب بھی آفاقی اور نوکر کے تعلقات میں ویسے ہی پائی جاتی ہے۔ اور نام کی تبدیلی سے حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ ایک مذہب یورپ میں جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھ کر سلوک کرتا ہے۔ خصوصاً اس حالت میں جب ملازم کا کام ادنیٰ درجہ کا ہو۔ اور جہاں تک سختی اور سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہیں کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانے میں ایک رومی مالک کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا۔ شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گذرنا ہو گا جب یہ آواز چائے کا ٹون میں نہ پڑتی ہو کہ ایک غریب پنکھا قلی کو صاحب بہادر نے مار مار کر صرف اسلئے ہلاک کر دیا کہ اس بد قسمت کو تھک کر ذرا اونگھ آگئی تھی اس حالت میں میں نہیں سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا جو اب ایک مذہب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہیں یا کوئی بد سلوکی وہ کرتا تھا جو اب نہیں کی جاتی۔ اور گالیان دنیا یا معمولی طور پر مار لینا تو کوئی بات ہی نہیں۔ مذہب یورپ میں اقوام کو غلامی کے موقوف کرنے پر اس وقت تک فخر نہیں کرنا چاہیے جب تک کہ حقیقت غلامی یعنی نوکر و تیر ظلم اور انکے ساتھ بد سلوکی سے وہ نجات حاصل نہ کر لیں۔ اگر غلامی کے موقوف کرنے میں بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک کے خدمت لینے میں کر سکتا ہے۔ انکو روکا جائے۔ اور ان لوگوں کو جو غلام کہلاتے ہیں ان کی ذلیل حالت سے نکال کر دوسرے انسانوں کی طرح انکو سمجھا جاوے تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یورپ میں سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہیں ہوا اور ابھی تک یورپ کے وہ مقصد حاصل نہیں کیا جو اسلام اس سے تیرہ سو سال پہلے حاصل

کر چکا ہے کیا یہ سچ نہیں کہ یورپ میں لوگ ویسی ملازموں کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہیں وحشیوں سے اچھا نہیں سمجھتے؟ پھر اتنی بات سے کیا فرق ہو جائیگا کہ وہ ان کا نام غلام نہیں بلکہ خادم رکھتے ہیں۔ آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو سمجھنے میں یورپ بھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیان گزر جانیکے بہت پیچھے ہے۔ جو ذلت قدیم اقوم میں غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی۔ اور پھر عیسائی نوآبادیوں کی غلامی میں لگی رہی اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیوں کی جاتی ہے اسلام نے اس کو غلامی کے نام سے قطعاً دور کر دیا اور نہ صرف لفظوں میں ہی بلکہ عملی طور پر اسے جڑ سے کاٹ دیا اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور ملک کے تعلقات سچے برابرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کاموں میں..... شریک ہونے لگا اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت میں شریک ہو گیا۔ یہ صرف انہیں آقاؤں کی حالت نہ تھی جو سیٹی کے درمیان یا پچھلے درجہ میں تھے بلکہ معزز سے معزز اور دولت مند سے دولت مند آقاؤں کا بھی یہی حال تھا۔

سب سے پہلے ہمیں قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیے کہ وہ غلاموں کے ساتھ کیسا سلوک چاہتا ہے اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم میں وارد ہوئی ہے۔ **واعبدوا اللہ ولا تشركوا به شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربی والیتیمی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم از اللہ لا یحب من کان مختلاً فحظراً (النساء - ۶۶ - آیت ۲۶)** یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو مان باپ کے ساتھ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے یتیموں اور اجنبی یتیموں اور پاس کے بیٹھے والوں اور مسافروں اور اڑھائی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضے میں ہیں اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو ان میں سے (یعنی دوسرے) کے حقوق کی پروا نہ کریں اور بڑائی بارتے پھریں (یعنی دوسروں کو حقیر سمجھیں)۔ اس آیت شریف میں دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کر کے بیان کیے گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی مخلوق سے نیکی اور اس دوسرے حصے میں بعض وہ لوگ جن کے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہئے مخصوص کر کے بیان کیے گئے ہیں تا انکی طرف زیادہ توجہ ہو۔ ان دونوں احکام کو ایک ہی جگہ بیان کر نیسے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرانا۔ اسلام لائیکے لیے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزاء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اس کی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہاں انجیل غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کر نیکے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہتی۔ قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ میں دونوں احکام بیان کیے گئے ہیں

یہ اس قدر صاف حکم غلاموں سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہیں کر سکتا چنانچہ نبی نے اپنی دشمنی آف اسلام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں غلاموں کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور سے تاکید کی گئی ہے“ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ غلام کو قرآن کریم الفاظ ماملت ایمانک سے ہی عموماً بیان فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو کفار کے ساتھ لڑائیوں میں مسلمانوں کے ساتھ لگے تھے اور کوئی غلام نہیں بنایا جاسکتا تھا مگر اس حصہ پر ہم بعد میں بحث کریں گے اس آیت کے آخری الفاظ میں اسی حسن سلوک کے حکم کو پھر مذکور کیا ہے یہ فرما کر کہ تمہارے تمام افعال کی غرض تو یہ ہونی چاہیے کہ تم اپنے حقیقی آقا کے پیارے بن جاؤ لیکن یاد رکھو کہ تم خدا کے پیارے کبھی نہیں بن سکتے جیتک تم دوسرے لوگوں کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کرو گے اور دوسرے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا نہ چھوڑو گے۔

اس کے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قائم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست محرک نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتوں اور غلاموں کے درمیان اور آزاد مردوں اور لونڈیوں کے درمیان نکاح جایز قرار دیا گئے۔ ایک مشترکہ آزاد عورت اور مسلمان لونڈی میں نکاح کے وقت ترجیح لونڈی کو دی گئی۔ اور ایک مشترکہ مرد اور مسلمان غلام میں ترجیح غلام کو دی گئی۔ بات بات پر غلاموں کو آزاد کرنا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیکر یہ بھی ایسا کیا کہ غلاموں کے ساتھ نیکی کرنا اور ان کو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی۔ غلاموں کے نکاح کرنا خاص طور پر حکم دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا۔ **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَأَمَّا بِكُمْ طُلَّانَ يَكُونُوا...** فقراء يغنهم الله من فضله (النور۔ رکوع ۲۴) اور تم میں سے جنکے ازواج نہیں ان کے نکاح کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں ان کے بھی نکاح کرو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ قبل از اسلام جو بدیان عرب میں لونڈی غلاموں کے معاملے میں تھیں ان سب کو دور کیا گیا۔ منجملہ ان کے ایک یہ بدرسم بھی تھی کہ لونڈیوں سے بدکاری کر اگر اس مال سے فائدہ اٹھاتے جسکی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف میں کی گئی ہے۔

یہ ہیں قرآن شریف کے احکام۔ ان میں سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیے کہ ان احکام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور انہیں کیونکر عمل کیا اس غرض کے لیے احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیے احادیث بخور کر نیسے معلوم ہوتا ہے کہ جو زور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا ہے اور جو خود اس حسن سلوک کا



نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کننا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپ کے بالمقابل کچھ بھی نہیں کیا سب سے پہلے میں صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہوں اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اخوانکم فلوکم جعلکم اللہ تحت ایدیکم نن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ نمایا کل و لیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوہم ما یغلبہم فان کلفتموہم ما یغلبہم فاعینوہم۔ یعنی تمہارے بھائی ہی تمہارے خدمتگار ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے نیچے رکھا ہے پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہئے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی میں سے اسے بھی کھلائے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اسی میں سے اسے بھی پہنا لے اور اپنی کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر انکی طاقت سے زیادہ کام انکو دو تو پھر انکو مدد بھی دو۔ بتاؤ کہ کونسا ایسا اور انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کونسا مصلح ہے جس نے ایسی کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی رنگ میں ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک سا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو۔ یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم آپ کے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں والذی نفسی بیدہ لولا الہما دنی سبیل اللہ واللحج و البرائی لا حبیب ان اموت وانا مملوک۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور مان کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو میں پیادہ بنا کہ غلامی کی حالت میں ہی مروں + پھر غلام محض حیوان کی طرح ایک گونگا کارکن نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کا سچا مشیر قرار دیا گیا ہے۔ قال اذا نضح العبد سیدہ و احسن عبادۃ ربہ کان لہ اجرہ مرتین۔ یعنی جو غلام اپنے آقا کو نیک صلاح دیتا ہے اور اپنے پروردگار کی عبادت عمدہ کرتا ہے اسکو دو ہراجر ملتا ہے۔ غلاموں کو نوڈیونکے ساتھ چھوڑ سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کی جائے بلکہ انکی عمدہ پروردگار کے لیے بھی جناب سالناب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ نوڈیونکے متعلق یہ حدیث فرمائی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل کانت لہ جاریۃ او بہا فاحسن تعلیمہا و اعتقہا و تزوجہا قلہ اجران۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس نوڈی ہو پھر وہ اسکی تادیب کرے یعنی اسے اعلیٰ درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسکو آزاد کرے اور اسکے نکاح کرے اسکے لیے دو ہراجر ہے اس حدیث کی طرف میں خصوصیت سے اُن کو تہ نظر دیکھو تو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف رہیں اسلام تو نوڈیونکے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دیجائے اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا منشاء غلاموں اور نوڈیون کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔

بہت سی اور حدیثیں ہیں جن میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے

مشکوٰۃ کی بعض حدیثوں کا ترجمہ لین صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹوں میں دیا ہے۔ اور انہیں کوہیونے اپنی دُکھنری آت اسلام میں نقل کیا ہے ان میں سے بعض کا اردو ترجمہ میں بیان دیتا ہوں۔ ”اپنے غلام کو اس کھانے میں سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور انکو ایسا کام کر نیکو نہ دو جو انکی طاقت کے بڑھکر ہو جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ مارتا ہے یا اس کے مُنہ پر مارتا ہے اسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کرے۔“ جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ جو شخص ماں اور بیٹے میں جدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لوڈی کو بچکر) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے دوستوں سے جدا کر دے گا۔“

ان تمام احادیث کے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام میں غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا بلکہ اس کام کو الگ چھوڑ کر جو اسکے سپرد کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتیں جاری کیں اور نہ صرف جلدی کیں بلکہ نپیر عمل کیا اور کرایا۔ مگر آج باوجود تیرہ سو سال کے گزر جانیکے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعوت کے کسی شخص میں استغناء اخلاقی جرات بھی نہیں جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو ایک طرف رہا تو کر دیکے متعلق اسی قسم کی ہدایتیں دینے کی جرات کرے۔ اب میں چند اور حدیثیں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر تاکید کیا کہ غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مرض الموت میں آپ کے منہ میں یہ الفاظ تھے۔ انفوا اللہ فی الصلوٰۃ وفی مالکیت ایمانکم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دو چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھو یعنی قیام نماز اور غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث کے کیسی صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں انسانوں کے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جسکو دنیا کی سب قوموں نے ذلیل سمجھا اور بتک ذلیل سمجھ رہی ہیں یعنی... غلام اور خادم کیسا سچی ہمدردی کا جوش تھا اور کس قدر انکی بہتری کا فکر آپ کو تھا کہ آخر وقت میں بھی یہی لفظ آپ کے منہ سے نکلے۔ آپ کیا چاہتے تھے ایک اثر سے پتہ لگتا ہے۔ فرمایا اللہ اوصانی جبئ ایل بالرفق بالرفیق حتی ظننت ان الناس لا تستعبد ولا تستخدم میر دوست جبرائیل نے غلاموں کے ساتھ نرمی کا سلوک کر نیکے لیے مجھے اس قدر وصیت کی کہ میں نے گمان کیا کہ آئندہ کوئی غلام..... نہیں بنایا جانا چاہئے۔ جو لوگ ان صاف شہادتوں کے ہوتے ہوئے بلا سوچے سمجھے اسلام پر یہ

اعتراض کر دیتے ہیں کہ غلامی شریعت اسلامی کا ایسا ضروری جزو ہے کہ اسکو جدا کر نیسے شریعت درہم بہم پہنچاتی ہے انکو کم سے کم سے یہ حدیث پڑھکر ضرور شرم کرنی چاہئے کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلاموں کے ساتھ نرمی کا اصل مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کو آزاد کر دیا جائے اور آئندہ غلام بنانیسے لوگوں کو روکا جاوے ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس آیا اور آپ کے پوچھا کہ میں کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کروں آپ نے منہ پھیرا

اور کوئی جواب اس کے سوال کا نہ دیا وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دہرایا اور آنحضرتؐ نے اسی طرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا چوتھی مرتبہ جب اس نے یہ سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ اعف عن عبدک سبعین مرۃ فی کل یوم اذا اردت نوال الاجر والنواب۔ اگر تو اجر اور ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہر روز ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آج ان اقوام میں جو مہذب کہلاتی ہیں ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدنگار کو باوجود ان قصور و عیوب کے معاف کر سکے مگر اسلام میں غلاموں کے متعلق واقعی ایسا عمل درآمد ہوا۔ آپ کا دل یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جائے کیونکہ اس نام میں حقارت پائی جاتی تھی اور آپؐ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر انکی کی جائے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ حدیث روایت کی ہے لایقل احدکم عبدی امتی ولیقفل فتای وفتای وغلامی۔ چاہئے کہ تم یہ نہ کہو کہ اے میرے غلام یا اے میری لونڈی بلکہ یوں کہو کہ اے میرے فتایا اے میری فتاة یا اے میرے غلام (یہ لفظ ہر ایک جو آزاد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہیں۔ غلام کا لفظ بھی اسی طرح بولا جاتا ہے عربی میں غلام کا مفہوم عید سے ادا ہوتا ہے) عید اور امتہ کہنے سے اس لیے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیوں اور غلاموں پر ہی بولے جاتے تھے اور وہ الفاظ جنکے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہیں۔ آزاد مردوں اور عورتوں پر بھی بولے جاتے ہیں۔

اس کے بعد میں یہ بیان کروں گا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہیں اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک۔ مگر قبل اسکے کہ میں عمل کی نظر میں پیش کروں ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلاموں کو اس قدر حقوق دیئے گئے تھے اور انکی اس قدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثوں سے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور ملوک میں فرق ہی کیا تھا اس کا جواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں مذکور ہے چنانچہ فرمایا۔ کلکلم راع وکلکلم مسئول عن رعیتہ فالایمر الذی علی الناس راع وہو مسئول عنہم والرجل راع علی اہل بیتہ وہو مسئول عنہم والامراۃ راعینہ علی بیتہا وولدہ وہی مسئلہ عنہم والعبد راع علی مال سیدہ وہو مسئول عنہ۔ یعنی تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جاوے گا۔ پس امیر لوگوں پر حاکم ہے اور اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جائیگا اور آدمی اپنے گھر کے لوگوں پر حاکم ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اس کی اولاد پر حاکم ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جاوے گا۔ اس حدیث کے رو سے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے اور ایک رنگ میں ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ میں وہی محکوم ہے۔ اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہیں دیتا جس کے چھوٹوں بڑوں کا امتیاز ہی اٹھ جاوے اور دنیا کے کاروبار بند ہو جاویں بلکہ ایک ایسی اخوت قائم کرتا ہے کہ



کام بھی سب الگ الگ رہیں اور سوسائٹی میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی مگر اسکے ساتھ ہی ان میں انسان اور پھر بھائی ہو نیکی حیثیت کے ایک مساوات بھی ہو۔ نہ ہی کام مقرر کر نیسے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشاء ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھا کر اسے ہاتھ نہ لگائے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھ کر سمجھا جائے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام میں اسکی مدد کرے اور جو فرائض آقا اٹھاتا ہے غلام اپنے محروم نہ رکھا جائے ہاں آقا کو یہ چاہئے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی اور احسان کرے اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے فرمانبرداری کرے وہ اپنے اپنے مفوضہ کاموں کو بجا لاوین باقی امور میں وہ ساری ہر ابن چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات میں خود ایک پاک نمونہ بھی تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپ کے صحابہ اور مسلمانوں پر ہوا۔ یہ جو آپ نے فرمایا تھا کہ میرے دوست جبرائیل نے یہاں تک غلاموں کے ساتھ مجھے حسن سلوک کی تاکید کی ہے کہ میرا گنا ہوا کہ غلام بتانا ہی نہ چاہئے یہ واقعی آپ کے دل کی سچی خواہش اور ترپ تھی۔ اور یہی آپ کی غلاموں کے ساتھ نیکی کی تعلیم کا اصل مقصد تھا اور آپ تدریجاً دنیا کو اس طرے مائل کر رہے تھے۔ چنانچہ ان سب باتوں کا ثبوت آپ کے اپنے عمل سے ملتا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی غلام نہیں رکھا بلکہ جو نبی کبھی کوئی غلام آپ کے ملک میں آیا تو آپ نے اسے فوراً آزاد کر دیا اس سے زیادہ واضح ثبوت آپ کی دلی خواہش کا اور کیا مل سکتا ہے۔ مگر اس مضمون پر یہ بحث کا موقع نہیں۔ غلام تو آپ سب آزاد کرتے رہے ہاں آپ کے خادم تھے اور جو دیا پندرہ آدمیوں کے نام لیے گئے ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ان کے آپ کے صحابہ اور متبعین میں سے ہر ایک شخص اسے اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتا کہ کوئی کام آپ اسے فرمائیں۔ پھر آپ کی پوزیشن دنیاوی لحاظ سے بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ مدینہ میں آپ گویا ایک چھوٹی سی جھوڑی سلطنت کے اعلیٰ افسر تھے اور پھر بعد میں آپ کل عرب کے شہنشاہ ہو گئے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے آپ خود اپنے کپڑے مرمت کر لیتے۔ بکریوں کو دودھ لیتے اور اپنی بیویوں کو گھر کے کام کاج میں مدد دیتے تھے جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آپ ایک خادم کی طرح بیٹھتے۔ اور دوسروں کا کام کرینے کے لیے ہمیشہ اٹھنے کو تیار رہتے سوار ہوتے تو کسی اور کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ حضرت انس نے آپ کے خادموں کے ساتھ نیکی کے کئی واقعات بیان کیے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا اس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھ کو اتنا تک نہیں کہا جب میں نے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تمہیں کیوں کیا اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں نہیں کیا اور آپ کا سلوک تمام دنیا سے بڑھ کر اچھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو یا کسی عورت کو نہیں مارا۔



آپ کے صادق محب اور مخلص بھی آپ کے نقش قدم پر ہی چلتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اسیران جنگ میں سے ایک ایک صحابی ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور اسے نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرے۔ ابو الہیثم اس غلام کو لیکر گھر گیا اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا عمل کیونکر کر سکتے ہو سوائے اس کے کہ غلام کو آزاد کر دو چنانچہ ابو الہیثم نے وہ غلام سیبوت آزاد کیا۔

زینب ع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اسکا ناک کاٹ ڈالا غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ نے پوچھا کہ کسے تیرا یہ حال کیا ہے غلام نے کہا زینب ع نے چنانچہ سیبوت زینب ع کو طلب کیا گیا اس نے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ میں کس کا مولیٰ کہلاؤنگا۔ (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپ نے فرمایا خدا اور اس کے رسول کا مولیٰ۔ چنانچہ اسی وعدے کے مطابق آپ جنتک جیتے رہے اسکی مدد کرتے رہے آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور وہ واقعہ آپ کو یاد دلایا اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے اور اس کے عیال کیلئے گزارہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا آپ نے پوچھا تو کمان جانا چاہتا ہے عرض کیا مصر میں اس پر حضرت عمر نے حاکم مصر کے نام حکم لکھ دیا کہ اسکو اس کے گزارہ کیلئے زمین دیدو سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک ایفا ہوا +

ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگمان میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابو مسعود یاد رکھو کہ جب قدر طاقتور حاکم تم اس پر ہوا اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا کا ہے۔ ابو مسعود فرماتے ہیں جب میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سیبوت اسکو خدا کیلئے آزاد کر دیا آپ نے فرمایا اگر تم اسے آزاد کرتے تو تم آگ میں پڑتے +

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک آدمی سوا ہے اور اس کا غلام اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے آپ نے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھا لو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

معروف کہتے ہیں میں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک نیا عمدہ لباس پہنا ہوا ہے اور آپ کے غلام نے بھی ویسا ہی نیا اور عمدہ لباس پہنا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک آدمی اس سے مراد آپ کا غلام کو گالیاں لگالیں اس نے میری شکایت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کی آپ نے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اسکی مان پر عیب لگایا اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہیں پس جس شخص کا بھائی

اسکے ہاتھ کیچے ہوا سے چاہئے کہ اپنے کھانسیسے اٹھائے اور اپنے لباس سے کپڑا پھینا دے۔ تم اپنے غلام کو ایسا کام نہ دو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اسکے کرتے میں خود مدد دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پیارا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں شرمندہ ہوتا ہوں جب میں ایسے آدمی کو غلام بنا کر رکھتا ہوں جو کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ اپنے ایک غلام کی نافرمانی کیوجہ سے کان مروڑا اور پھر اپنے نعل سے توبہ کی اور اسی غلام کو کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اسنے انکار کیا۔ اپنے اصرار میں اتوا سنے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا اپنے کہا زور سے مروڑو کیونکہ میں قیامت کے دن کی سزا برداشت نہیں کر سکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ انکے ایک غلام نے بھٹیڑ کو کپڑے ہوئے اسکی ٹانگ توڑ دی انہوں نے کہا کہ تو نے کیوں ایسا کیا کہا آپکو غصہ دلایینکے لیے آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی میں اسے غصہ لاؤں گا۔ یعنی شیطان کو جا اور تو خدا کے لیے آزاد ہے۔

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے اسامہ کو جو حضرت زید کے بیٹے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا۔ قبل اس کے کہ یہ فوج روانہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائیں مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے میں اسے منسوخ کروں۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوا تھے انہوں نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جاوین اور یا مجھے اجازت دین کہ میں بھی پیدل چلون مگر آپ نے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔ جب حضرت عمرو نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلہ کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جسکا سردار عبادہ بن صخر کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانے میں بطور غلاموں کے فروخت ہوتے تھے جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکال دو۔ انہوں نے کہا یہی تو ہمارا سردار ہے اور جو کچھ یہ کہیگا یا کرے گا اسیکے ہم پابند ہیں۔ مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تھے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنایا انہوں نے کہا سرداری ہمارے درمیان تو میت یا رنگ پر نہیں بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب میں سے افضل الہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جو سلوک اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے

کہ غلاموں کی ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے بنی کے لفظوں پر عمل کرتے تھے۔ جب حضرت ابو عبیدہؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور شہر کے لوگ تنگ آ گئے تو انہوں نے اس شہر پر شہزادہ کریبؓ کا وعدہ کیا کہ خود حضرت عمرؓ اگر شرائط صلح طے کریں ابو عبیدہؓ امیر المومنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام بھی تھا مگر سواری کیلئے اونٹ صرف ایک ہی تھا اسلئے خلیفہ اور غلام باری باری اسپر چڑھتے اور جس کی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔ جب آپ ابو عبیدہؓ کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی۔ آپ اتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ابو عبیدہؓ نے اس بات کو ڈر کر کہ امیر المومنین کو اس طرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یہوشم کے اہالی پر برا اثر نہ ہوا اور مبادا جنگ رخ پلٹ دے عرض کیا کہ تمام نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں اس صورت میں یہ مناسب نہیں کہ آپ کا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکروں کی طرح ساتھ ساتھ بھاگیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو سن کر غضب میں آئے اور فرمایا کہ تجھ سے پہلے ایسا مجھے کیسے نہیں کہا اور یہ تیری بات مسلمانوں پر لعنت لانیوالی ہے ہم سب لوگوں نے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے حقوٹے تھے۔ خدا نے اسلام کے ذریعے ہمیں بڑائی اور عزت دی۔ اور اگر ہم ان راہوں الگ چلکر عزت تلاش کریں گے جو راہیں اسلام نے ہمیں سکھائی ہیں تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا۔ جس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ اسلام نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی میں سمجھو کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر رکھو۔ اگر ہم اس مساوات میں اپنی ذلت سمجھنے لگیں گے تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا کیونکہ اسکی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑینگے میں چوچھتا ہوں کہ آیا آج بھی دنیا میں کوئی ایسا فاتح موجود ہے یا کوئی چھوٹی سی چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہو ایسا ہے کہ وہ اخلاقی جرات دکھاسکے جو حضرت عمرؓ نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھاسکے جو ایک بڑے شہنشاہ نے دکھایا۔ کیا حضرت عمرؓ اس امر سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قیام رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ نہیں وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا۔ مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت انکے دل میں تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہیں راہوں پر چلنے سے ملے گی اور اگر کچھ زمانے میں مسلمانوں نے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اس طریق برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمرؓ نے کہی تھی انہوں نے اسلامی راہوں کو چھوڑ کر اور راہوں سے عزت تلاش کی پس وہ عزت کو کھو بیٹھے۔ اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چلکر دنیا میں معزز بننا چاہتے ہیں اور اسلام کی راہوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں انہیں یہی بات یاد رکھنی چاہیئے۔

مگر باوجود ان غلطیوں کے جن میں مسلمان پڑ گئے ہیں اور مرد و زمانہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور جا پڑے ہیں یہ امر قابل غور ہے کہ آپ کی نیک تعلیم ایسی انکے خونوں کے اندر رچ گئی یا یوں کہو کہ آپ کی قوت قدسی ایسی اپنی غالب آئی کہ اب بھی مسلمانوں کا سلوک اپنے نوکروں اور غلاموں سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر ہے اور یہ تسکیر کا مقام کہ ہمیں اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں خود عیسائیوں نے اسکو تسلیم کر لیا ہے۔ لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ کے نوٹوں میں لکھتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو دونوں مصر میں رہا اور مسلمانوں کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں میں غلاموں کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جن سیاحوں نے دوسرے اسلامی ملک میں سفر کیا ہے ان کی شہادت مسلمانوں کی اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں جو ہدایتیں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہیں عموماً ان سب پر انکے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق عیسائیوں کے گال کے طمانچہ کی تعلیم کی طرح نہیں کہ سرستے سرستے ہزار ہا کاغذ سیاہ کر دیں اور جب عمل دیکھیں تو ایک بھی عامل دنیا میں نظر نہ آئے۔ یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہیو کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ مسلمان ممالک میں غلاموں کے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے۔ بمقاید اس سلوک کے جو امریکہ میں کیا جاتا ہے جہاں غلامی کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا ہے مگر پادری صاحب پیروں کو کیوں ملزم کرتے ہیں جب انکے مرشد کی تعلیم میں ایک لفظ بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق نہیں پایا جاتا ایسا ہی اسکو پیڈیا بلیکا میں ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانوں کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہوا کہتا ہے "مشرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت میں مزدوروں کی طرح کام کرنے کی غلامی نہیں بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے۔ غلام کو خاندان کے ایک ممبر کی طرح سمجھا جاتا ہے اور اسکے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف غلاموں کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنے کی روح بھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔"

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات تقنینی کو پیش کرنے کے بعد میں اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غلامی جیسے رواج کو ایک حد تک اسلام نے یک لخت روک نہیں دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کے رو سے جو دنیا میں سمجھا جاتا ہے اسکو غلامی کہہ سکیں نہیں بلکہ جہاں آج کل کے نوکروں کے ساتھ سلوک دیکھا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسوقت دنیا میں جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کرنے لگے اور اس خادمی کی جتنی اُس غلامی کی



حالت کو بدرجہا بہتر سمجھینگے۔ غلامی کے عام مفہوم کے رو سے تو یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ایک حد تک اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا۔ جو اپنے آقا کے برابر ہے اسکو غلام کیوں کہا جائیگا۔ اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کی طرح ہونا صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے۔ بلکہ عمل سے ہی یہ دونوں باتیں ظاہر ہوتی تھیں جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے جو لباس مالک پہنے وہی ملوک پہنے جہاں وہ رہے اسی جگہ غلام بھی رہے۔ طاقت کے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اسے مخاطب نہ کرنا اور نہ ہی مارنا اس سے بڑھ کر کوئی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرستی اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے۔ نام کو تو غلامی موقوف کر دی گئی مگر فسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسی طرح موجود ہے۔ عنقریب دنیا دیکھ لیگی کہ جیتنا غلاموں کے ساتھ وہ رفیق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جسکی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانوں کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدہ بنین سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلاموں کی موقوفی لفظی موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی وہ عمل تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے۔ اور جسپر حکمران انسان انسانوں کے لیے مفید اور خدا کا سچا بندہ بن سکتا ہے + (بانی آئندہ)

## اسلام (۲)

### بجواب پادری سیل

یہ عجیب بات ہے کہ سیل جیسا مشہور پادری اسلام کا مشہور دشمن قرآن کریم سے استغبر بیخبر ہو حالانکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھتے وقت اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عمدہ سوانح عمری قرآن شریف ہے۔ اسی بات کو میسر نے بھی اپنی کتاب میں تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے واقعات زندگی کی کبھی قرآن شریف ہی ہے۔ مگر اگر یہ لوگ قرآن کریم کو کچھ بھی تدبر سے اور

تقصیب الگ ہو کر پڑھتے تو ایسے پھر اعتراض انکی قلمو سے بھی نہ نکلتے مثلاً سید صاحب مسلمان مومنین کو اس بات کا الزام دیتے ہیں کہ انہوں نے یونہی اس پاک تبدیلی کی عظمت کو بڑھانیکے لیے جو آپ کے وجود مقدس کے ذریعہ سے عرب میں ہوئی زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ایام جاہلیت رکھ دیا ہے اس کے سمجھ کو اتنی خبر نہیں کہ یہ خیال مسلمان مومنین کو نہیں سوچھا بلکہ یہ تو وہ دعوے ہے جو قرآن شریف نے نہایت پر زور الفاظ میں کیا ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لائے جب عرب پر سخت جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور پھر اس وقت اس دنیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے جب ایک کامل اور لانظیر تبدیلی ظہور میں آچکی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی اس دلیل پر خدا کے پاک کلام نے بہت زور دیا ہے اور اس بات کو بار بار بیان کیا ہے کہ آپ کے آئیسے پہلے عرب سخت جہالت اور تاریکی اور غلطیوں اور مردگی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے چنانچہ قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن میں کفار عرب کو جاہل وغیرہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس بات کے سبب انکار کرتا ہے اسکو خود قرآن شریف نے ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ کم از کم تین دفعہ بیان فرمایا ہے۔ یعنی زمانہ قبل بعثت بنوی کا نام ایام جاہلیت رکھا ہے چنانچہ سورہ مائدہ کے ساتویں رکوع میں فرماتا ہے۔ انھم الجاہلیۃ بیعتون۔ یعنی کیا یہ لوگ اس وقت میں زمانہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں۔ پھر سورہ احزاب رکوع ۴ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ ولا تبرجن الجاہلیۃ الاولی۔ یعنی اگلے زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو۔ پھر سورہ فتح رکوع ۳ میں فرماتا ہے۔ اذ جعل الذین کفروا فی قلوبہم الحیۃ حمیۃ الجاہلیۃ۔ یعنی جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کھٹان لی اور ضد بھی ایام جاہلیت کی سی ضد۔ پس ان تمام موقعوں سے بصراحت تمام تر یہ ثابت ہے کہ زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خود قرآن شریف نے ہی ایام جاہلیت رکھا۔ انکے علاوہ دوسری آیات قرآن شریف سے ثابت ہے کہ کس طرح کفار کو انکی غلطیوں اور جہالتوں اور فسق عقیدوں اور بدکاریوں کے سبب قرآن کریم نے ملامت کیا ہے چنانچہ سورہ جمعہ کے ابتدائ میں اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنے احسان چٹا ہوا یوں بیان فرماتا ہے۔ ہو الذی بعث فی الامیین رسولاً منہم تیلو علیہم الیمۃ ویزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ ترجمہ ”وہی خدا ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے رسول بنا کر بھیجا کہ وہ انکو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور انکو (ہر ایک قسم کی گندگی اور آلائش سے) پاک کرتے اور انکو کتاب (الہی) پڑھانے اور حکمت کی باتیں سکھاتے۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح غلطیوں اور گمراہی میں مبتلا تھے“ مشرکین عرب کی یہ حالت بیان فرما کر پھر آگے اہل کتاب کی حالت یوں بیان فرمائی ہے۔ مثل الذین حملوا التورۃ ثم لم یحکو ما کمل الحاکم کل اسفاراً یعنی جن لوگوں پر تورات لادی گئی۔ پھر

انہوں نے اسکو نہ اٹھایا یعنی اسپر کار بند نہ ہوئے انکی مثال گدھے کی مثال ہے جسپر کتابین لدی ہین، عیسائی بھی اس سے باہر نہیں کیونکہ تورات کی اشاعت تو وہ یہودیوں نے بدرجہا بڑھ کر کرتے ہین مگر عمل اسکے ایک لفظ پر بھی نہیں حالانکہ یہود کچھ تو عمل کرتے ہین۔ اسی آیت سے اسوقت کے اہل کتاب کی حالت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر بہت سی اور آیات میں عرب کی پہلی حالت کو چار پائی کی حالت سے مشابہت دی گئی ہے جیسا کہ سورہ الاعراف رکوع ۲۶ میں اولئک کالا نعام بل ہم اضل۔ یعنی یہ لوگ چار پائی کی مثل ہین بلکہ ان سے بھی گئے گئے ہوئے۔ اور سورہ فرقان رکوع ۴ میں۔ ان ہم الا کالا نعام بل ہم اضل سبیلنا۔ جسکے معنے وہی ہین جو اوپر کی آیت کے مذکور ہوئے۔ اگر قرآن شریف عرب کی اس وحیاناہ حالت کو بیان نہ فرماتا اور مسلمان مورخین خود اپنی طرف سے یہ باتیں لکھ دیتے تو انکی صحت بھی بیشک بغیر قوی دلائل کے قبول کئے لائق نہ ہوتی۔ مگر قرآن شریف نے یہ باتیں ان لوگوں کے منہ پر نہیں۔ جسکی حالت کو بیان کیا ہے اور انکی اشاعت اسیدقت میں عام طور پر ہو چکی تھی۔ اگرچہ آج ان مشرکین کے وکیل سیل صاحب انکی طرف سے یہ جواب دیتے ہین کہ عرب دراصل جاہل اور وحشی نہ تھے۔ مگر خود ان ملزموں نے قرآن شریف کے بار بار کے دعوں کے جواب میں کبھی یہ بیان نہیں دیا۔ انکا جواب صرف یہی تھا جو قرآن شریف نے صحیح طور پر بیان بھی کر دیا ہے۔ نتیجہ ما الفینا علیہ اباؤنا کہ ہم تو اسبطریق پر چلتے ہین جسپر چلتے ہوئے ہمنے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے جسکے ساتھ ہی انکو انکی غلطی پر متنبہ کر نیکیے لیے یہ بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔ اولوکان اباہم لا یعقلون شیئاً ولا یمتدون۔ یعنی اگرچہ انکے بڑے بالکل جاہل تھے اور راست پر نہ چلتے تھے قرآن شریف نہ صرف عرب کی حالت کو ہی ایسی گری ہوئی بیان کرتا ہے بلکہ اسکا دعوے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کل زمین ہی مردہ ہو چکی تھی۔ اور روئے زمین کی تمام قومیں بگاڑ چکی تھیں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اعلیٰوا ان الہدیکم الارض بعد موتنا۔ جان لو کہ کل زمین مردہ ہو چکی تھی اور اب خدا سے از مر نو زندہ کر گیا۔ دوسری جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے زمانے کو اسکے مشابہت دی گئی ہے۔ اور آپ کے زمانہ کو دن کہا گیا ہے۔ اسبوجہ سے کہ آپ سے پہلے جہالت کی سخت تاریکی دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور آپ کے آنے سے وہ ظلمت دور ہو گئی۔ اور نور کا غلبہ ہو گیا۔ پھر ایک جگہ یہ بھی فرماتا ہے کہ طہر الفساد فی البر والبحر۔ یعنی روئے زمین پر ایک عام فساد پھیل گیا۔ کیا خشکی میں اور کیا سمندر میں۔ ان تمام آیات سے کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے کہ قرآن شریف نے ابتدا میں ہی یہ دعوے کیا تھا کہ میرا نازل ہونا ایک ایسے وقت میں ہے جب چاروں طرف بدکاری اور جہالت کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئی ہین۔ اور نہ صرف قرآن کریم میں اسکا ذکر ہونا اسکی صحت پر دلالت کرتا ہے بلکہ تاریخ بھی اسپر شاہد ہے۔ بعض عیسائی صاحبان کا یہ عذر ہے کہ بیشک دنیا کی حالت تو ایسی ہی ابتر تھی مگر عیسائی مذہب اس سے مستثنی تھا۔ یہ خود انکی اپنی تاواقیف تھیں۔ عیسائی مذہب میں فساد اور بدکاری دوسری

صدی عیسائی سے ہی شروع ہو گئی تھی اور پھر جون جون کلیسیا کی ظاہری شان و شوکت بڑھتی گئی اسکی اندرونی  
 پاکیزگی گھٹتی گئی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اسکی حالت پورے طور پر زراب  
 ہو چکی تھی اس سے بہت مدت عیسائیت کی حالت یہ تھی کہ اسکے اپنے فرقے ایک دوسرے کے خلاف اس سے  
 زیادہ تندی اور وحشیانہ جوش دکھاتے تھے جیسا کہ ایک وحشی انسان کے بالمقابل دکھاتا ہے اور ایک  
 بشپ لکھتا ہے کہ اندرونی فسادوں کے سبب آسمانی سلطنت پوری ابتری بلکہ عین دوزخ کا نمونہ ہو رہی تھی  
 پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لائے جب دنیا ایک مصلح کی سخت محتاج تھی یہ آپ کی  
 صداقت پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے اور قرآن شریف بھی اسکو مذکور فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ ال عمران  
 کے ابتدائین ہی فرماتا ہے۔ الم تدرک ان لا اله الا هو المحی الیقوم نزل علیک الکتاب بالحق۔ یعنی اللہ وہ خدا ہے جسکے  
 سوا کوئی معبود نہیں وہ خود زندہ اور اسکے وجود سے ہر ایک شے زندہ ہے وہ اپنی ذات میں بغیر کسی دوسرے  
 کے سہارے کے قائم اور اس سے ہر ایک شے قائم ہے اسے تجھ پر حق اور ضرورت حق کے ساتھ یہ کتاب  
 اتاری ہے ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا۔ والحن انزلناہ والحن نزل ہم نے حق کے ساتھ اس کتاب کو  
 اتارا۔ اور ضرورت حق کی وقت وہ نازل ہوئی ہے۔ درحقیقت جو ضرورت مصلح کی آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم کی بعثت کی وقت دنیا کو تھی ایسی ضرورت کسی نبی کی وقت میں نہیں تھی اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم  
 نے اس دلیل کو بار بار بیان فرمایا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کی وقت میں ایسی  
 ضرورت تھی؟ میں امید کرتا ہوں کہ سیل صاحب صفائی سے اسکا جواب دینگے۔ حضرت مسیح رومی  
 سلطنت میں پیدا ہوئے اور میں اس بات کا انصاف پادر یصاحب پر ہی چھوڑتا ہوں کہ آیا تہذیب اور  
 روشنی اس وقت کی رومی سلطنت میں زیادہ تھی یا ایام جاہلیت کی عرب میں کیونکہ انکی اپنی بحث کا نتیجہ یہ ہے  
 کہ جب قدر کوئی قوم زیادہ معذب اور ترقی یافتہ ہوا اسقدر اس میں مصلح کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ پادر یصاحب  
 عرب کی تمدنی اخلاقی اور ملکی حالت کا مقابلہ رومی سلطنت کے کریں اور ایک سچائی سے پیار کر خوالے  
 کی طرح صفائی سے حق کا کھلا کھلا اظہار کریں کہ دونوں ملکوں میں سے کس میں مصلح کی ضرورت زیادہ تھی۔  
 اسلام پر قلم فرسائی کرتے ہوئے پادر یصاحب نے یہودی مذہب کے عرب پر نیک اثر کا بہت کچھ ذکر کیا ہے  
 مگر میرا سوال یہ ہے کہ یہ نیک اثر والا مذہب وہی یہودی مذہب تھا جسکی اصلاح کیلئے حضرت مسیح مبعوث  
 ہوئے تھے اور آخر اسکی اصلاح سے ہاتھ دھو کر کسی اور طرف روانہ ہوئے جسے ہم کشمیر کہتے ہیں تم چاہو  
 تو آسمان کہہ لو کہ قدر دھیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ پادر یصاحب ایک طرف تو یہ کہیں اور اسی پر لکھے ایمان  
 کا دار و مدار ہو کہ یہودی مذہب حضرت مسیح کی پیدائش کے وقت بگڑ چکا ہوا تھا اور دوسری طرف یہ دعویٰ



کریں کہ یہ بگڑا ہوا مذہب چھ سو سال اور بگڑنے اور حضرت مسیح کی اصلاح کو رد کرتیکے بعد بھی عرب پر نیک اثر ڈال رہا تھا۔ مجھے تعجب اس بات سے آتا ہے کہ پادری صاحب کا دل کس طرح مطمئن ہوا کہ اسلام کی دشمنی کیناظر ایک ایسا کلمہ منہ سے نکالیں جو انکے اپنے عقیدہ اور مذہب کی جڑ کاٹتا ہے اور جسکو وہ یقیناً جھوٹا سمجھتے ہیں اگر اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہوں۔ کیا انکا وہی ایمان ہے جو قدیم عیسائیوں کا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام قائم کرنیکے لیے جو جھوٹ گھڑ لیا جائے درست ہے اور پھر یہ لوگ بھی دعوے کرتے ہیں کہ ہم منیکی اور راستی کے معلم ہیں!

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہودی کیا تمدن کے لحاظ سے اور کیا اخلاقی پہلو سے ایام جاہلیت کے عرب کے بدرجہا بہتر تھے۔ پھر اس غلط بیانی سے کیا حاصل ہو سکتا ہے کہ عرب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایک مذہب ملک تھا۔ کیونکہ ہر حال یہ تو مانا جائیگا کہ جن لوگوں نے درمیان حضرت مسیح پیدا ہوئے وہ عرب کے زیادہ مذہب تھے پس اگر عرب کے مذہب ہوئیے آنحضرت کی بنوت پر حملہ کرنا مقصود ہے تو یہودیوں کے مذہب یا قہ ہو نیک واقعہ جس سے کسیکو انکار کی گنجائش ہی نہیں یسوع کی مسیحیت کو جڑ سے کاٹتا ہے جس آدمی کو کچھ بھی انصاف اور راستی کا پاس ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ دو تون صورتوں میں ایک ہی اصول کی پابندی چاہئے۔ اگر کسی ملک کے مذہب ہوئیے ہی ایک بنی کی بنوت کا دعوے غلط ہو سکتا ہے تو پہلے حضرت مسیح کے منجانب اللہ ہوئیے عیسائیوں کو انکار کرنا چاہیے۔ یہودیوں کو جنکی طرف مسیح علیہ السلام آئے تھے حضرت مسیح نے کوئی نئی تمدنی یا اخلاقی تعلیم نہیں دی بلکہ جس قدر انکی تعلیم تھی اس سب کا ماحذ یہودیوں کی کتاب میں ہی ہیں۔

مگر جو فرق ان دو قوموں کی حالت میں دکھایا گیا ہے اس سے نہایت مفید نتائج پیدا ہوتے ہیں جس قوم کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ مدت دراز سے بت پرستی اور دوسری پھر بت پرستی میں ایسی عوق شدہ تھی کہ کوئی انسانی طاقت انکو اس بت پرستی سے باہر نہ نکال سکتی تھی۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئی تھیں ان کے تمدنی اور اخلاقی قوانین اگر کچھ تھے۔ تو بالکل وحشیانہ اور وہ پرے درجہ کی بدکاریوں اور فسق و فجور میں گرفتار تھے انکی اصلاح سے تمام انسانی طاقتیں مایوس ہو چکی تھیں انکے بالمقابل حضرت مسیح کے مخاطب یہودی تھے جنکا اگر عربوں کی حالت سے مقابلہ کیا جائے تو یہی کہنا چاہئے کہ انکو کسی اصلاح کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ملکی حالت انکی بیشک کمزور تھی۔ اور وہ ایک دوسری سلطنت کے ماتحت تھے مگر حضرت مسیح انکی گردنوں کو دوسری حکومت کے جوکے آزاد کرانے نہ آئے تھے۔ اگرچہ ابتدائیں معلوم ہوتا ہے کہ انکے دل میں ایسا خیال نہ ہوا تھا۔ خدا کے سوا وہ لوگ

کسی کی پرستش نہ کرتے تھے اور نہ صرف خود ہی توحید پر ایمان لاتے تھے بلکہ اپنی گرد و پیش کی قوموں کو بھی خدا کی توحید کی طرف بلاتے تھے۔ یہی مسئلہ توحید ہی تھا جس کے سبب وہ دوسری تمام قوموں پر ممتاز تھے۔ پھر ان کے پاس اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق شریعت بھی موجود تھی اور لکھی ہوئی موجود تھی ان میں تعلیم دینے والے وہ لوگ موجود تھے جن کے متعلق خود حضرت مسیح نے اقرار کیا کہ فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ اب اگر اس قوم کی حالت کا موازنہ ایام جاہلیت کے کر لیں تو یہی کہنا پڑے گا کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے یہ دونوں کے تمدنی اور اخلاقی قانون بالکل مکمل تھے۔

یہ تو ان دونوں نبیوں کی ضرورت میں فرق ہے اب اس تبدیلی پر بھی غور کرو جو انہوں نے دنیا میں کر کے دکھائی۔ یہ دوسری دلیل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ہے۔ عرب کی بت پرستی جو انکی خون میں رچی ہوئی تھی جس سے کٹ گئی اور اسکی بجائے خدا کے واحد کی پرستش قائم ہو گئی۔ پہلی وحشیانہ اور کمینہ خصلتیں سب نیکوئیوں سے تبدیل ہو گئیں۔ جن پاکیزہ اور خوبصورت اور پر معنی الفاظ میں قرآن کریم نے اس حیرت انگیز تبدیلی کو بیان کیا ہے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ پھر اس کتاب پاک نے انکی وہ حالت بیان کی ہے جب وہ محض بہائم کی طرح تھے جس کے متعلق چند آیات پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔ بڑا المبا عرصہ نہیں گذرنا بلکہ تیس سال میں ہی وہ مکمل کمال نقشہ ایسا بدل جاتا ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ نئی قوم اسی جاہل اور خونریز قوم سے بنی ہے۔ دشمنی اور تباعد کی آگ جو صدیوں سے ان میں جل رہی تھی اور جس کے شعلے ہزاروں جانوں کو کھا چکے تھے اسی بجھ گئی کہ اسکا نام و نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔ جو قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے جنگ کرتی رہی تھیں وہ اسی بھائی بھائی بن گئیں کہ گویا کبھی ان میں دشمنی پیدا ہی نہ ہوئی تھی اور ایک ایسی وحدت کل قوم میں نظر آنے لگی کہ گویا اسکے اجزا پہلے کبھی الگ الگ ہوئے ہی نہیں تھے اس حیرت انگیز تبدیلی کو خدا کی پاک کتاب ان الفاظ میں بیان فرماتی ہے:-

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فاعلف بین قلوبکم  
 فاصبحتم بنعمۃ اخوانا وکنتم علی شفا حفرة من النار فاعقدکم منہا کذلک یمین اللہ لکم الیوم لعلکم تتقون۔  
 (آل عمران - رکوع ۱۱ - آیت ۱۰۲) اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن جانی تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی یہاں تک کہ تم اسکے فضل سے بھائی بن گئے اور تم ایک الگ کے گروہ کے کتا سے پر تھے (جو تمہیں سب کے سب کو بھسم کر جائیکو تیار تھی) پھر خدا نے ہی تمکو اس آگ سے بچایا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کھول کھول کر تمہارے لیے بیان کرتا کہ تم راہ راست پر آ جاؤ + یہ حیرت انگیز فتح اور یگانگت عرب کی سرکش اقوام میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور دنیا کی تاریخ میں اس کی ایک بھی نظیر نہیں ملتی۔

یہ اس عظیم الشان تبدیلی کا ایک پہلو تھا جو آپ کے وجود مبارک ظہور پذیر ہوئی۔ مذہبی اور اعتقادی تبدیلی اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے وہ لوگ جو مدتوں سے نہ صرف بتوں اور آسمان و زمین کی طاقتوں کی پرستش کرتے چلے آتے تھے بلکہ جو حیوانوں۔ درختوں۔ پتھروں اور ریت کے ڈھیر و نکلے سامنے بھی سربسجود ہو جاتے تھے۔ اور ان میں الہی طاقت کا ہونا مانتے تھے۔ ان سب بیہودگیوں کو چھوڑ کر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی توحید پر ہی قائم ہو گئے بلکہ توحید اور صفات الہی کے ان باریک مراتب تک پہنچ گئے جسکی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔ صرف بتوں کی پرستش کو چھوڑ دینا ہی ان کے نزدیک شرک و بچکانہ تھا بلکہ جب تک انہوں نے اپنے نفس کی تمام خواہشات کو ترک نہ کر دیا اور ہر ایک طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی نہ سمجھ لیا تب تک انہوں نے اپنے آپ کو خدا کی توحید پر قائم نہیں سمجھا۔ پھر ان کا یہ ایمان طرح طرح کی ابتلاؤں اور امتحانوں سے آزما گیا مگر آزمائشوں کی تندہوں کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ان کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ یعنی ان کا ایمان صرف زبان کے اقرار تک ہی نہیں رہا بلکہ جب وہ آزمائشوں کی چکی میں پیسے گئے تو انہوں نے بے نظیر استقامت دکھائی۔ وہی لوگ جو اپنے دیوتاؤں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اب دنیا میں خالص توحید کے معلم ہو گئے وہ کامل توحید جس کا نقشہ سورہ اخلاص میں کھینچا گیا ہے۔ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً حدیث اس آیت شریفہ میں جو آیت الکرسی کے نام سے موسوم ہے۔ اور دوسرے موقعوں پر بھی سب سے زیادہ حیرت انگیز بات اس تبدیلی میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کر دکھائی اس کا ہر پہلو سے کامل ہونا ہی آپ کے وجود سے عرب کی کایا سی پلٹ گئی اور کل کا کل نقشہ بدل گیا۔ کیا ان کے عقاید اور اعمال۔ کیا ان کے تمدنی اور اخلاقی قوانین اور انکی ملکی حالت۔ ہر ایک بات میں ایک عظیم الشان تغیر آ گیا۔ میخوری اور عیاشی کی مجالس کا نام و نشان نہ رہا۔ اور انکی بجائے ذکر الہی کی مجالس قائم ہو گئیں۔ جو لوگ رات شرابخوری میں گنوا تے تھے جیسا کہ آج کل بھی یورپ میں دستور ہے انکی راتیں اب خدا کے قیام و سجد میں صرف ہوتیں شرابخوری کے پانچ اوقات پانچ نمازوں سے بدل گئے۔ ہنسی کھٹھکی بجائے نمازوں میں خضوع و خشوع پیدا ہوا اور خوف الہی سے گریہ و بکا غالب ہوا۔ ہر ایک تاریکی دور ہو گئی اور نور کی شعاعیں پوری قوت کے ساتھ چمک اٹھیں۔ بدی کا ہر ایک خیال دور ہو کر نیکی کی محبت پیدا ہو گئی۔ ایسا کہ ذکر قرآن شریف سورہ الحجرات میں فرماتا ہے۔ ولكن الله يحب اليكم الايمان وزينه في قلوبكم وكره اليكم الكفر والفسوق والعصيان (الحجرات ۱۷) یعنی خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دیدی ہے اور تمہارے دلوں میں اس کے لیے ایک کشش پیدا کر دی ہے اور کفر و فسق و فجور اور نافرمانی سے تمکو نفرت دلادی ہے۔ عباد الرحمن کا نقشہ قرآن کریم نے سورہ فرقان کے خاتمہ پر کھینچا ہے وہ گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالتوں کا ہی ایک نقشہ ہے۔ اسی سورہ میں پہلے انکی جاہلیت



کی حالت کو یوں بیان فرماتا ہے کہ وہ چارپائی کی طرح بلکہ چارپائی بننے بھی گئے گدے میں اور پھر فرمایا کہ اب انکی تاریکی کا زمانہ دور ہو کر اپنی روشنی کا دن چڑھیکا اور اسکو ایک نشان بھی قرار دیا ہے کہ اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے خاص ارادہ اور طاقت کے ایک ظلمت میں پڑی ہوئی قوم کو یہ روشنی عطا فرمائی۔ یہ نشان ہو صداقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنکے وجود مبارک اور انفاس طیبہ اور قوت قدسی سے یہ عظیم الشان تبدیلی ظہور میں آئی۔ پھر صحابہ کی اس تبدیل شدہ حالت کو یوں بیان فرمایا ہے:۔ **وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْبَاطِحَ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلَقْ فِيهِ مِثْلًا مِمَّا كَانَتْ يَدَاكَ تُعْمَلُ بِمَا كُنْتَ تَعْمَلُ أَصْحَابُ الْأَنْوَاعِ يَدْبُلُونَ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ صَنَعَتْ وَأَوْكَانَ اللَّهُ عَفْوَ رَحِيمًا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا وَالَّذِينَ لَا يَشْعُرُونَ بِالزُّورِ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِاتِّبَاعٍ رَبِّهِمْ لَمْ يَجِدُوا لَهَا صَاحَةً وَاعْتِمَادًا وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتًا قَرَّةَ عَيْنٍ وَاجْعَلْ لَنَا لَبِقِينَ آمَنًا** ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ خدائے رحمان کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ جلتے ہیں اور جب جاہل (انکو ایذا پہونچانیکی غرض سے) انسے خطاب کرتے ہیں تو وہ جواب میں بھلائی کی بات کہتے ہیں (اور ایذا کے مقابل ایذا نہیں پہونچاتے) اور جو انکو اس حالت میں گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے کبھی سجدے میں گرے ہوئے اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے اور کبھی کھڑے اسکی حمد و ثنا کرے ہیں (یعنی رات کے ان اوقات میں خضوع و خشوع کے ساتھ نماز و غیر مشغول ہیں جن اوقات میں پہلے شرابخوری اور عیاشی اور فسق و فجور کی مجلسوں میں ہوتے تھے) اور جو دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار عذاب و دوزخ کو (جو تیری نافرمانی اور تجھ سے علیحدگی میں پیدا ہوتا ہے) ہم سے دور رکھو کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی مصیبت ہے اور وہ کھڑے اور قیام کر نیکیے لیے بڑی جگہ ہے۔ اور جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی ہی کرتے ہیں (جیسا کہ ایام جاہلیت میں دنیاوی فخر اور نمود کے لیے اپنے سارے مال و متاع کو ضائع کر دیتے تھے) اور نخل ہی کرتے ہیں (جیسا کہ پہلے کرتے تھے) بلکہ (افراط و تفریط کو چھوڑ کر) میانی راہ پر چلتے ہیں۔ اور جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ ناحق کسی نفس کو جسے خدا نے حرام کر رکھا ہے قتل کرتے ہیں (حالانکہ جاہلیت میں انکا کام ہی خود تیری تھا) اور نہ زنا ہی کرتے ہیں (جسے پہلے گناہ ہی نہ سمجھا جاتا تھا) اور جو کوئی ایسا فعل کرے گا کہ وہ اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتے گا کہ قیامت کے دن اسکو



دوہرا عذاب دیا جائیگا اور وہ ذلیل و خوار اسی میں پڑا رہیگا۔ مگر جس نے توبہ کی اور (جہالت میں گناہ کرنے کے بعد) ایمان لایا اور ایسے کام کیے جو ہر قسم کے فساد سے خالی ہیں تو ایسے لوگوں کی مدد ہوگی (جو وہ کیا کرتے تھے) خدا نیکو سننے والا ہے اور وہ آئندہ بدی کے ارتکاب سے محفوظ رہیگا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور جو شخص توبہ کرے اور (توبہ کے بعد) ایسے عمل کرے جو نیک اور فساد سے خالی ہیں تو وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے سچا رجوع لاتا ہے۔ اور (خدا کے خاص بندے وہ ہیں) جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اور جب اتفاقاً یہودہ مشغول ہوئے پاس ہو کر گذرین تو کریم کو گونگی طرح گزر جاتے ہیں (گویا انہیں ان باتوں سے کوئی تعلق ہی نہیں) اور جب ان کو ان کے پروردگار کی آیتیں سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو گونگے اور بہرے ہو کر انہیں گریختے اور جو لوگ دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے پیسوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمارے پیسے گارون کا پیشوا بنا۔

ان آیات میں انہی عربوں کی حالت کا ایک دوسرا نقشہ کھینچا گیا ہے جسکی پہلی حالت کا نقشہ یہ تھا۔ کہ وہ چار پائی کی طرح ہیں یعنی جن کو محض کھانے پینے سے ہی غرض ہے اور وہ خدا سے ایسے دور ہٹے ہوئے ہیں جیسے چار پائے۔ اور یہ پاک تبدیلی ایک کامل انسان کے ذریعہ سے دنیا میں کہ مدتوں کے بگڑے ہوئے کو ایسا سنوارا کہ آئندہ نسلوں کے تمام راست بازوں کے لیے وہ نمونہ اور پیشوا ٹھہرے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کسی مذہب کو اختیار کر نیسے ہماری پہلی غرض کیا ہے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مذہب کی غرض صرف یہ ہے کہ آئندہ جہان میں وہی طور پر ہماری نجات ہو جائے وہ غلطی کرتا ہے۔ سچی نجات جسکا حصول ہم مذہب کے ذریعہ چاہتے ہیں صرف یہ ہے کہ ہماری زندگیوں میں ایک پاک تبدیلی واقع ہو کر اسی دنیا میں ہمیں نجات حاصل ہو جائے۔ اور یہی مذہب کی سچائی کا امتیازی نشان ہے کہ وہ آئندہ کے وعدہ پر نہیں مانتا بلکہ اسی انسان کو بدکاری اور گندگی سے نجات دے کر ایک پاک تبدیلی اسکے اندر پیدا کر دیتا ہے اب اس امتیازی نشان کے ساتھ اسلام نہیں بلکہ کل مذاہب کو پرکھو اور کل دنیا کے مذہبی پیشواؤں کی زندگیوں کا مطالعہ کرو۔ اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس کامل اور پاک تبدیلی کا کوئی نمونہ تم ہرگز پیش نہیں کر سکتے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہوئی سیل ہو یا کوئی اور پادری صاحب ہوں اگر وہ ایک بھی نظیر اسکی پیش کر دین کہ عرب کی طرح کوئی قوم ایسی دولت کیجا لیتیں گری ہوئی اور ایسی غلطیوں اور بدکاریوں میں مبتلا نہ تھی اور اسقدر تھوڑے عرصہ میں کسی مصلح نے اسکی ایسی کاپیا پٹ دی اور اسکو روحانی اور اخلاقی اور تمدنی پہلوؤں سے ایسا اوج کمال پر پہنچا دیا تو بیشک اسلام کو دوسرے مذاہب پر کوئی ترجیح نہ ہوگی اور اسکے مقدس بانی کو اسپر درود اور سلام ہو دوسرے مصلحوں پر کوئی فضیلت نہ ہوگی مگر میں جیسقدر اس سوال پر غور کیا ہے اسقدر

زیادہ صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ایک کامل تبدیلی پاکیزگی کی طرٹ پیدا کرنی والا صرف ایک ہی نبی ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نہ ہی حضرت موسے اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے ایسی پاک تبدیلی اپنی اقوام میں پیدا کر کے دکھائی اگرچہ ہم ان دونوں کو خدا کے سچے نبی اور برگزیدہ مانتے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور یہ تمام بنیادیں علیہم السلام اولین اور آخرین پر آپ کی فضیلت ہے میں تو دلائل اور واقعات کو چاہتا ہوں کسی دوسرے نبی یا مصلح کی زندگی میں ایسی عظیم الشان ایسی کامل اور ایسی خلاف امید تبدیلی کا کوئی نمونہ دکھا دو اور مجھے اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی انکار نہ ہو گا کہ وہ نبی یا مصلح بھی خدا کی طرف سے تھا۔ مگر اے عیسائی صاحبان آپ بھی غور کریں ہاں جنکے دلوں میں کچھ بھی انصاف اور خدا ترسی باقی ہے وہ غور کریں کہ اس کامل اور عظیم الشان انسان جس کی پاک تبدیلی کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی مفسری اور کذاب کہا جاتا ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہے کہ وہ شخص جو تمام نسل انسانی کا فخر ہے اسکو برا کہا جائے اور برے ناموں سے یاد کیا جائے اور ایک ضعیف انسان کو جسکی زندگی میں اس تبدیلی کے عشر عشیر کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ خدا بنا یا جاوے۔ ہمارے ہمارے درمیان ایک نہایت آسان راہ فیصلہ کی ہے اور وہ یہ کہ تم اس تبدیلی کی نظیر حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی سے نکال کر دکھاؤ۔ ہم انہی بھی وہی فضیلت مان لینگے مگر یاد رکھو کہ اگر ساری عمر میں بھی تیارخ کی ورق گردانی میں خرچ کر دو تو اس تبدیلی کی نظیر دنیا کے کسی کو نے میں ممکنہ مل سکے گی پس خدا ترسی اختیار کرو اور سچائی سے مت بھاگو۔

اسکے بالمقابل اب یہ دیکھنا ہے کہ یسوع نے کونسی تبدیلی یہودیوں میں کی۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم نے اسکا مقابلہ تبدیلی سے کرنا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی یعنی ایک قوم کو اس حالت میں پانا جسپر چار پلوں کا لفظ صادق آسکا اور جسکی حالت ظہر الفساد فی البر والبحر کی مصداق ہو اور اسکو اس مرتبہ اور اوج کمال تک پہنچانا جسکا سچا نقشہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ میں کہہ چکا گیا ہے اب میرا سوال پادری سیل صاحب سے یہ ہے کہ وہ ایمان داری سے اور موت اور اسکے بعد جوابدہی کے دن کو مد نظر رکھ کر یہ بتائیں کہ کیا حضرت یسوع نے یہودیوں کو اس گری ہوئی حالت میں پایا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو پایا تھا؟ کیا وہ بھی عرب کی طرح سخت بت پرست اور مشرک تھے؟ یا کیا سچی بات یہ ہے کہ وہ صدیوں تو حید پر قائم بلکہ توحید کے واضع چلے آتے تھے اور بت پرستی اور انسان پرستی سے نفرت رکھتے تھے اور پھر کیا انکے درمیان اعلیٰ درجہ کے تمدنی اور اخلاقی قوانین لکھے ہوئے موجود تھے یا عرب کی طرح وہ ان سب امور میں جاہل تھے؟ سیل صاحب یہ بھی ایمان داری سے بتاویں کہ کیا یسوع نہیں کہ جو اخلاقی تعلیم حضرت مسیح نے دی وہ انکے درمیان ہمیشہ سے چلی آتی تھی؟ یہ تو ان قوموں کی حالت میں فرق تھا اب دو سرطین اس بات کو بھی دیکھنا چاہئے کہ

اس قوم کی حالت میں جس کے لیے حضرت مسیح آئے اور جس کو کوئی نئی بات سکھانیوالی نہ تھی کیونکہ انکے پاس ضرور زمانہ کے مطابق ایک کامل شریعت موجود تھی کیا تغیر واقع ہوا اس جگہ ہمیں اور بھی حیرانی ہوتی ہے کہ حالانکہ حضرت مسیح کا منشاء انکی پرانی رسوم اور شریعت کو دور کرنا تھا اور نہ ہی انکی کوئی نئی تعلیم تھی جو یہودیوں کی تعلیم کے مخالف ہوتی پھر بھی حضرت مسیح نے قوم یہود پر کوئی نمایاں اثر پیدا نہیں کیا۔ چنانچہ عرب جیسی عظیم الشان تبدیلی کا نام لیا جاوے۔ اگر ایک شخص تاریخ کو ہاتھ میں لیکر حضرت مسیح کے آئسے پہلے قوم یہود کے حالات کو مطالعہ کرے اور پھر آپ کی موت کے بعد انکے حالات پر غور کرے تو وہ قطعاً پتہ نہیں لگا سکتا کہ انکے درمیان کوئی مصلح بھی پیدا ہوا تھا کیونکہ کوئی نمایاں فرق یا کوئی ترقی اس قوم کی حالت میں نظر نہیں آتی۔ طالبان حق دیکھ سکتے ہیں کہ میں کسی مذہبی تعصب کی وجہ سے نہیں کہتا کیونکہ ہم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بچا نبی مانتے ہیں بلکہ واقعات اور تاریخ سے ہی ثابت ہوتا ہے اور نہ صرف انکی زندگی میں ہی حضرت مسیح کی تعلیم کا کوئی اثر یہودیوں پر نہیں ہوا۔ بلکہ کم از کم سو سال گزر جانے تک بھی یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بلحاظ دشمن کے بھی کوئی وقعت نہیں دی۔ ہاں جب اصل تعلیم مسیح کی گم ہو گئی اور ایک بت پرست قوم کے اصول کو لیکر ایک نیا سلسلہ آپ کے نام پر قائم کیا گیا۔ اس وقت یہودیوں کو اس طرف خیال آیا کیونکہ یہ نیا سلسلہ حضرت مسیح کی تعلیم کے ایسا ہی خلاف تھا۔ جیسا بنی اسرائیل کے کل نبیوں کی متفقہ تعلیم کے۔ حضرت مسیح کی زندگی کے واقعات اناجیل میں جنکو عیسائی صاحبان الہامی مانا کرتے تھے اور ان واقعات سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہودیوں میں بھی کوئی عظیم الشان تبدیلی آپ کی تعلیم سے پیدا ہوئی تھی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسی گمنامی کی حالت میں آپ دنیا میں آئے تھے ویسی ہی گمنامی کی حالت میں اس دنیا سے نہیں گئے۔ اس ملک سے ضرور کوچ کر گئے۔ قوم یہود میں آپ کی تعلیم سے کوئی روحانیت پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ بظاہر آپ ایک ناکامی کی حالت میں ہی گزر گئے۔ (اگرچہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ کامیابی جو ایک سچے نبی کو ہونی چاہئے وہ آپ کو دوسری اسرائیلی اقوام میں حاصل ہوئی جو کشمیر اور افغانستان میں آباد ہو چکی تھیں) یہی وجہ ہے کہ یہودیوں نے اپنی روایات اور کتب اور تاریخ میں مدت تک حضرت مسیح کا ذکر بھی نہیں کیا گویا وہ اسکے آنے اور نہ آنے کو برابر سمجھتے تھے۔ اب خدا کے لیے کوئی غور کر نیوالا ہو کہ کہاں یہ گمنامی اور ناکامی کہ ایک پڑھی پڑھائی قوم کی حالت کو بھی سنوار نہ سکے اور کہاں وہ حیرت انگیز تبدیلی کہ وحشی ہونیکی حالت سے کمال کمال انسانی کے اوج پر پہنچا دیا۔ اے عیسائی صاحبان خدا سے خوف کر کے آپ بتا دیں کہ ان میں سے کسکو الوہیت کا منظر اتم اور فخر ولد آدم کہنا چاہئے تم اسکا جو چاہو نام رکھ لو مگر یاد رکھو کہ جو اسکے احسان دنیا پر ہیں تم انکا انکار نہیں کر سکتے اور جو پاک تبدیلی اسنے پیدا کر دکھائی تم اسکی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔



اس سورج کی روشنی تو مہتابے سروں پر پڑ رہی ہے پھر ہمیں اس سے کیا فائدہ کہ اس روشنی کے سرشتیہ کو تاریکی کا سرشتیہ کہو اور خود تاریکی سے باہر نہ نکلو کیونکہ واقعات سیل اور میو بھی انکار نہیں کر سکتے ہمیں پیروی تو اسکی کرنی چاہئے جو ہمیں پاکیزگی عطا کر سکتا ہے۔ پس دیکھ لو کہ دنیا میں زیادہ پاکیزگی پھیلائیوالا اور اپنے مشن میں بڑا کامیاب کون ہے۔ اگر تیرہ سو سال کے تعصب کو الگ کر دو تو تم اسکی عظمت کو پس منظر دیکھ لو گے اور اپنی روحوں کے اندر اس پاک انسان کی پاکیزگی کے اثر کو محسوس کر لو گے۔

لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ یہودیوں نے اسکی تعلیم کو ہی قبول نہ کیا تو اپنا اسکا اثر کیا پڑتا تو اول سوال تو یہ ہے کہ یہ بھی تو کامی ہے کہ جس قوم کیلئے بھیجے گئے تھے اسی نے تعلیم قبول کر نیسے انکار کر دیا لیکن اس سوال کو چھوڑ کر بھی کوئی عظیم الشان تبدیلی ان معدودے چند اشخاص کی حالت میں نظر نہیں آتی۔ جنہوں نے آپ کے مشن کو قبول کر لیا تھا۔ ایک پاکیزہ اور تبدیل شدہ زندگی کی پہلی علامت یہ ہے کہ ایسے شخص میں استقامت پیدا ہو جائے کیونکہ جس شخص میں اتنی طاقت نہیں کہ تھوڑی سی آزمائش کا مقابلہ کر سکے وہ بدی کی عظیم الشان طاقتوں کا کیونکر مقابلہ کر سکیگا۔ یاد رکھو کہ جس شخص کا ایمان کچا ہے اسکے عمل بھی اسی حالت میں ہیں جتنا ایک آدمی خدا کی محبت کی کٹھالی میں نہ ڈالا جاوے اور جتنا وہ ابتلاؤں کی تیز آگ سے صاف بچکر نہ نکل آوے اسوقت تک اسکی روح سفلی تعلقات سے الگ نہیں ہو سکتی اور نہ حقیقی پاکیزگی تک پہنچ سکتی ہے اور ایسے شخص کی تبدیلی بھی نامتام ہے۔ اب جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی حالت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ سخت سے سخت ابتلاؤں میں ڈالے گئے اور آزمائشوں کی چکیوں میں پیسے گئے مگر وہ صحیح سلامت اور کامیاب نکلے ابتدا میں انکو جو تکلیفیں دی گئیں انکے دگر سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مکہ میں بعض وقت انکی یہ حالت ہوتی تھی کہ سخت گرمی میں دوپہر کے وقت جلتی ہوئی آست پھرو پیر انکو ننگے ڈال دیا جاتا اور سپر کرڑوں سے پٹیا جاتا مگر اسوقت بھی جب وہ گرمی کی شدت اور پیاس کی تیزی اور مار کی سختی سے نیم مردہ ہو جاتے تب بھی انکے منہ سے ہی لفظ نکلتے کہ لا الہ الا اللہ۔ پھر ان مصیبتوں کے بعد انکو اپنا وطن چھوڑ کر ایک دوسرے ملک میں پناہ لینی پڑی اور گھر بار سب چھوڑنے پڑے پھر بھی انہوں نے ثابت قدمی دکھائی۔ آخر جب یہ جلاوطن واپس آئے تو کفار کی طرف سے اور بھی بڑھ کر دکھ دیا جانے لگا چنانچہ پھر دوسری دفعہ سب کے سب ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچے اور یہاں فاقہ کشی اور سخت محنتوں سے گزارہ کیا لیکن اسلام پر ویسے ہی ثابت قدم رہے۔ مگر یہاں انکی مصیبتوں کا انتہا نہیں ہوا۔ بلکہ اب کفار پہلے سے بھی تند ہو کر انکو تابو د کر نیچے پڑے ہوئے اور ان تاثر بہ کاروں کو تیرہ سال دکھا ٹھاتے ہو گئے تھے اور کبھی کسی کے سامنے نہ زبان کھولی



تھی اور نہ ماتھا اٹھایا تھا۔ اب اپنی حفاظت کے لیے بالمقابل جنگ کرنا پڑا۔ مگر انہوں نے اپنے پیارے بنی کے ساتھ کوئی چھوڑا اور ہر ایک تکلیف اور ہر ایک مصیبت کو گوارا کیا۔ گھر چھوڑے مل چھوٹے۔ مارین کھائیں اور آخر جانیں بھی دین اللہ صل علی محمد و آل محمد و اصحاب محمد و بارک و سلم انک جمید مجید۔ یون شروع سے لیکر یعنی اس وقت سے جب انہوں نے پہلے اسلام کو قبول کیا اخیر تک تکلیفیں ہی تکلیفیں انکی راہ میں رہیں مگر وہ استقامت انہوں نے دکھائی جو ایک غور کریوالی طبیعت کو حیرت میں ڈال دیتی ہے وہ مصایب کے مقابلہ سے تھکے نہیں بلکہ ایک چوتھائی صدی کی انہیں حالتوں میں گزاری مگر اس حق کو چھوڑنا جسکو وہ بعیر سے قبول کر چکے تھے انکے لیے موت سے بدتر تھا جس ایمان پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا تھا۔ اسی ایمان پر کھاتمہ بھی ہوا۔ دنیا میں ایسی نظیریں تو ہوں گی کہ مذہب کی بنا پر لوگوں نے موت کو قبول کیا اور اپنے مذہبی عقاید کو نہ چھوڑا مگر اتنی حالتوں کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اگر انکی مصیبتوں کو لبیا کیا جاتا تو وہ قائم رہتے یا پھر جاتے۔ بعض وقت فوری جوش سے انسان بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ لیکن یہ نظیر کہ شروع سے لیکر آخر تک مصایب کا مقابلہ ہوا اور مصایب بھی وہ جو دن بدن بڑھ رہے ہوں اور تیس سال کا لمبا زمانہ انہیں مصایب میں گزر جائے اور پھر بھی ایمان میں ذرہ بھر ترنزل نہ ہو۔ اسکی نظیر دنیا میں کوئی نہیں اور ہرگز نہیں۔

اس حیرت انگیز استقامت کا مقابلہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دکھائی حضرت مسیح کے عام مریدوں سے بلکہ خاص حواریوں سے ہی کرو۔ اور افسوس سے کہنا پڑے گا کہ اس استقامت کی بو بھی انہیں نہیں پائی جاتی۔ اور نہ ہی انہوں نے اپنے مرشد سے وفاداری کا کوئی ثبوت دیا ہے اول تو حضرت مسیح ایک ایسی گورنمنٹ کے ماتحت تھے جو ایک نہایت منتظم گورنمنٹ تھی جسکے نیچے مذہبی بنا پر کسیکو دکھ نہ دیا جاسکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہودیوں کو یہ برات نہ ہوئی کہ آپ کو یونہی مار ڈالتے بلکہ عدالت کے سامنے پیش کرنا پڑا اور خود حضرت مسیح نے بعض اوقات ایسے کام کیے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں ایک مظلوم کے رنگ میں نہ تھے۔ مثلاً یوحنا ۲-۱۵ کو پڑھو کہ کس طرح انہوں نے خرید و فروخت کرنا انکی مینڈکوں کو لٹا دیا اور انکو مار کر ہیکل سے باہر نکال دیا۔ ایسے شخص کے پیروں کو گھسیٹ دیکھ پوچھا کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ مان دس یا بارہ آدمیوں نے تخت ملنے کے وعدے پر اپنے کاروبار چھوڑ دیئے تھے مگر اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مچھلی کپڑے والے جالوں کے سوا اور..... کوئی جائیداد انکی وہ چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کو ساری عمر میں ایسا پیش آیا تھا جب انکے مریدوں کو کسی قدر استقامت دکھانی چاہئے تھی مگر وہ موقع بھی ایسا نہ تھا کہ انہیں اپنی جانوں کا کوئی خطرہ ہوتا۔ مگر اس نازک وقت میں جب حضرت مسیح علیہ السلام

کو حوالات میں کر دیا گیا۔ آپ کے خاص الخاص حواری پطرس نے بھی یہ نمونہ دکھایا کہ ذرا سی بات پر یہ جھوٹ بول دیا کہ میں مسیح کا مرید نہیں بلکہ اسکو جانتا بھی نہیں کیا یہی استقامت اور تبدیلی ہے جسکی بنا پر حضرت مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے؟ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو گناہ سے نجات یافتہ کہا جاتا ہے؟

میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ حضرت مسیح نے اپنے چند حواریوں میں جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں کیسے قدر تبدیلی پیدا کی ہو۔ لیکن انسوس یہ ہے کہ جہاں ایک ایسی ادھوری اور محدود تبدیلی کے پیدا کر نیوالے کو خدا یا خدا کا بیٹا بنایا جاتا ہے۔ اس فخر نسل انسانی کو جسکی تبدیلی کی اسکی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے دنیا میں کوئی نظیر نہیں چھوٹا بنی کہا جاتا ہے۔ پادری صاحب اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو چاہیے کہ انصاف کریں اور واقعات کی بنا پر کسیکو سچا یا جھوٹا کہیں۔ ان دونوں بزرگ نبیوں میں مقابلہ کرو اور واقعات کے رو سے جو افضل ہے اسے افضل کہو۔ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کو اس سے بدتر حالت میں پایا تھا جس حالت میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو پایا۔ اور پھر ان میں اس سے بڑھ کر پاک تبدیلی پیدا کر دکھائی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کی۔ تو ہمیں مسیح کو افضل ماننے سے کوئی انکار نہیں لیکن اگر تاریخ اور واقعات سے اس کے خلاف ثبوت ملے یعنی عرب کی پہلی حالت یہودیوں سے بہت بدتر اور انکی دوسری حالت یہودیوں کی دوسری حالت سے بہت افضل ثابت ہو جیسا کہ میں دکھا چکا ہوں تو پھر عیسائی صاحبان کو چاہیے کہ تعصب اور طرفداری کو چھوڑ کر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو تسلیم کریں۔ میں نہیں جانتا کہ پادری سیل صاحب ان میں دلائل سے کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن جو معیار صداقت اور فضیلت کا میں نے بیان کیا ہے اس سے کسی سمجھ دار آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر عیسائی صاحبان کوئی اور معیار انبیاء کی صداقت اور فضیلت کا پیش کر سکتے ہیں جس کے رو سے توہم کے تمام انبیاء اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کو پرکھ سکتے ہوں اور ان کے حق و باطل ہو نیکو بن طور پر سمجھ سکتے ہوں تو ہم اس معیار سے بھی یہ ثابت کر دینگے کہ فضیلت ایک ہی کیلئے ہے۔ جس معیار سے چاہو دیکھ لو اور وہ ایک حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں۔

جو معیار فضیلت میں پیش کیا ہے۔ وہ نہایت صاف ہو کیونکہ جو شخص خود اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ درجہ کا صاف اور پاک اور مضبوط تعلق نہیں رکھتا وہ دوسروں کو حقیقی پاکیزگی پر کیونکر قائم کر سکتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیونکر قائم کر سکتا ہے۔ پس جو تبدیلی کوئی شخص پیدا کرتا ہے۔ وہی اسکی صداقت اور فضیلت پر دلیل ہے۔ پس اگر دلائل سے کام لیا جائے تو کوئی فلاسفہ کوئی ہمدرد بنی نوع کوئی مصلح کوئی نبی ایسا نہیں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعوے کر سکے اور یوں کل

نسل انسانی پر آپ کی فضیلت ثابت ہے۔ اس معیار سے بڑے بڑے مجسمہ مذہبی مباحثات کا چند لفظوں میں ہی فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی معیار کے رو سے ہم کسی مدعی کی صداقت کو نہ پرکھیں بلکہ ہر بات میں اس کی نیت اور ارادہ پر حملہ کریں تو کونسا بنی ہے جو اعتراضوں سے بچ سکتا ہے۔ پادری سیل صاحب دہریوں کی کتابوں کے ناواقف نہیں جنہوں نے حضرت مسیح پر اس قدر حملے کیے ہیں کہ اگر کسی نبی پر اتنے اور ایسے سخت حملے نہیں ہوئے ہیں یہ تو نین کہتا کہ جو پادری صاحبان اسلام پر قلم اٹھاتے ہیں وہ بھی واقعی دہریہ ہی ہیں لیکن اگر ان کی تحریریں میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کا نام درج کر دیا جائے تو یہ تحریریں بعینہ دہریوں کی تحریریں بن جائیں گی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پادری سیل کا یہ اعتراض صحیح ہے کہ چونکہ چند لوگ جو حنیف کہلاتے تھے اور بہت پرستی کے مخالف تھے آپ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے اور اس لیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ وحی الہی کی بنا پر نہ تھا بلکہ حنیفوں کی طرف دیکھ کر ہی آپ نے بھی دعویٰ کر دیا تھا تو حضرت مسیح تو اور بھی قابل الزام ٹھہرتے ہیں کیونکہ آپ پہلے ایک عظیم الشان فرقہ جو اسین کے نام سے پکارا جاتا ہے موجود تھا جسکی تمام تعلیم وہی تھی جو بعد میں حضرت مسیح نے دینی شروع کی جس سے وہی طرز استدلال اختیار کر کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح نے بھی اس فرقہ کی طرف دیکھا اور انہیں کی تعلیم چر کر خود وعظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض پادری صاحب کرتے ہیں کہ آپ کو کسی فرضی راہب کے یودیوں اور عیسائیوں کی تعلیم کا پتہ لگ گیا تھا تو حضرت مسیح پر الزام ثابت شدہ ہے کہ آپ نے توریت اور دوسری یہودیوں کی کتابوں کو سب سے پہلے سنا تھا اور آپ کی تمام تعلیم نیز تحریر دینے لگی ہے۔ میں پادری سیل صاحب کو یقین دلانا ہوں کہ اگر وہ حضرت مسیح کی زندگی اسی طرز پر اور ایسے ہی خیالات کو دل میں لیکر لکھنا شروع کرے تو جو کچھ وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس سے بھی بدتر حضرت مسیح کو پا کے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ پادریہ صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور فضیلت کی یہ نمایاں دلیل کہ آپ نے وہ تبدیلی پیدا کی جو اور کسی نے نہیں کی کھٹکتی رہتی ہے اور اس لیے اسکے اثر کو کم کرنے کے لیے اس طرح کے فضول عذر تراشتے رہتے ہیں کہ عرب پہلے سے ہی اس عظیم الشان تبدیلی کے قبول کر چکے تھے یہ تیار تھا۔ اگر پادری صاحب کو ان جھوٹے اور بے بنیاد دعوؤں سے کچھ تسلی بھی ملتی ہے اور آپ کی لائیکر کامیابی کے لیے ظاہری وجہ ان کے نزدیک پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے ان کو فائدہ کیا کیونکہ پہلے تو انہیں اس بات کا فکر چاہیے کہ حضرت مسیح کیوں ناکام رہے اور کیوں انکو وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو ان کے نزدیک ایک جوئے کو ہوئی۔ یہ مذہب کی حمایت نہیں بلکہ مذہب کے ہنسی ہے کہ جو ناکام ہوا اسے خدا بنایا جائے۔ اور جو کامیاب ہوا اسے جھوٹا کہا جائے تو خدا پر اعتراض ہو کہ وہ چکا چکیا دیکھتا رہا یا اس میں اس قدر طاقت نہ تھی کہ ایک جھوٹے کی کامیابی کو روک سکتا اور اپنے بیٹے کو جھوٹے ہی سے مدد دیکر کامیاب کر سکتا ہے پادری صاحب

کب تک حق سے گریز کرو گے اور باطل کی تائید کرو گے۔ خدا سے ہنسی مت کرو۔ وہ طاقتور خدا ہے جو مفتری کو اپنے وعدہ کے مطابق پس ڈالتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے اور اسے تامل اور کھتا ہے اور جھوٹا اس سے وہ تائید بھی نہیں پاتا جو سچا پاتا ہے۔ اور بہر حال اگر تم کسی کی کامیابی کی کوئی وجہ بھی تلاش کر لو گے تو آخر اسکی کامیابی تو کامیابی ہی رہے گی۔ اور جو ناکام ہوا ہے اسکی ناکامی کی کوئی وجہ اس ناکامی کو کامیابی سے تبدیل نہیں کر سکتی۔ آخر کس کے ارادے کے مطابق وہ عظیم الشان تبدیلی عرب میں واقع ہوئی اور کس نے یہ چاہا کہ اس قسم کی نمایاں کامیابی سوائے اس ایک کے اور کسی کو حاصل نہ ہو؟ کیا خدا کے سوا کسی اور کے ارادے کے مطابق یہ کام ہو رہے تھے! حق آدمی نہیں جانتا ہے کہ جس حق کو وہ چھپانا چاہتا ہے آخر وہ ظاہر اور کامیاب ہو کر رہے گا۔ (باقی آئندہ)

## انگلستان میں باخلاق اور مذہب کا زوال

میری کوریلی کی کتاب ”آزاد رائن“ حال میں شائع ہوئی ہے اور انگریزی پریس میں اسکی بہت کچھ مخالفت اسوجہ پر ہوئی ہے کہ عیسائی ممالک کی موجودہ مذہب سوسائٹی کے بعض حالات اس نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں اور آج کل کے مذہب مورخین کی طرح عیسویوں کا خفا نہیں کیا۔ دو بڑی باتیں جو اس میں بیان کی گئی ہیں وہ بدکاری کی کثرت اور مذہب کا زوال ہیں اور ان دونوں امور میں کتاب کی مصنف کے بیان میں کسی قسم کا لب لہجہ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ بڑے بڑے لوگوں نے اس سے بھی بدتر نقشہ مذہب سوسائٹی کا کھینچا ہے۔ ایک جملہ اس کتاب پر یہ بھی کیا گیا ہے کہ اسکی طرز تحریر سخت ہے۔ مگر جان سوسائٹی اپنے بعض عیسویوں کا خفا کرنا چاہتی ہو ان کا اظہار ضرور ہے کہ سخت معلوم ہو۔ انگلستان میں مذہبی عقاید کے زوال کے متعلق پہلے یہ دو سوال کیے گئے ہیں ”کیا تم اس مذہب پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہو جسکے پیرو ہونیکا تم زبانی اقرار کرتے ہو؟ کیا یہ سچ نہیں کہ تم اسکے ایک لفظ پر بھی ایمان نہیں لاتے اور صرف رسم و رواج کے طور پر اسکے پیرو بنے ہوئے ہو؟ ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے عام حالت یوں بیان کی گئی ہے۔

”وہ تم جو ایمان نہیں لاتے مگر رسم و رواج کی خاطر جھوٹا اقرار ایمان لائیکا کرتے ہو۔ سوچو کہ تم کیا ہو۔ تم اپنے آپکو نیک اور معزز سمجھتے ہو مگر واقعات واقعات ہی ہیں اور تم ایمان کا دعوے کرنے میں کذاب ہو۔ دن کی صاف روشنی پتھر ٹپتی ہے اور تم کو منافق جانتی ہے تم ایک بد بخت انسان ہو جو رسم کی دیوانہ وار تقلید میں خدا کو بھی دھوکا دینے کی کھمی کو شش کر رہے ہو معروہ ہو یا عورت جو کوئی تم ہو جھوٹ بولنے سے شرم کرو۔ صاف طور پر اقرار کرو کہ تم



ایمان نہیں لاتے پھر کم از کم اس صاف گوئی کے لیے تمہاری عزت کی جانگی۔ یہ سمجھنا ضروری نہ دکھاؤ کہ ہمارے مذہبی خیالات اس فرقہ کی طرف مایل ہیں یا اُس فرقہ کی طرف پھر ہم نہیں کذاب یا منافق نہ کہیں گے۔ یہ حالت صرف عوام کی ہی نہیں بلکہ کلیسیا اور اسکے عمدہ داروہی حالت جو پیشوایان مذہب کہلاتے ہیں اس سے بھی بدتر بیان کی گئی ہے۔ ”یہ بالکل سچ ہے کہ ہمارے اکثر گریجے مسیح کی اصلی تعلیم کے بالکل مخالف پڑے ہوئے ہیں اور یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی روزانہ زندگیوں میں ٹھیک اس طرز پر چل رہے ہیں جس پر مسیح نہایت سخت الفاظ میں لعنت بھیجتا۔ عوام کی حالت کو مد نظر رکھ کر یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ لندن کا فرہور ٹا ہے لیکن لگ پادیوں اور پیشوایان مذہب کو کافر کہا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔ ان بڑے بڑے عمدہ داران کلیسیا کی حالت پر غور کرو جو اس عقیدہ کے ایک لفظ پر بھی ایمان نہیں لاتے جس کا اقرار وہ زبانی کرتے ہیں اور جو ہر روز مسیح کے ساتھ دھوکا بازی کر کے روپیہ کے وصول کرنے میں یہود اس کیڑی کا کام کرتے ہیں ان دین کے خاتموں کی حالت پر غور کرو جو اپنی روزمرہ زندگیوں کے ہر ایک لفظ اور فعل میں اصل عیسائی کے الٹ چل رہے ہیں ان جنوں والے منافقوں کو دیکھو جو دوسروں کو غلط کرتے ہیں مگر خود اسکے ایک لفظ پر بھی عمل کر نیکی کو شش بھی نہیں کرتے ان بے ایمان اور دنیا دار پادیوں کو دیکھو جو دولت مندوں اور ارڈوئیکے گھروں میں ہمیشہ دیکھے جاتے ہیں نہایت عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اور عمدہ عمدہ کھانے کھاتے ہیں اور پھر موسائیلی بلکہ کاریوں کا ایسے مزے لیکر ذکر کرتے ہیں جیسے کوئی عام رند جو دوسرے کی پیوی کو نیکی کی راہ سے پھیر کر اغوا کرتا ہے۔ ان کینہ ورتنگل جھگڑالو چھوٹے چھوٹے گرجاؤں کے پادیوں کی حالت پر غور کرو جو اپنے اہل محلہ کو بجائے احسان و ادائیگی حقوق ہم مسائیلی نیکی اور وحدت کا سبق دینے کے انکو ایک دوسرے سے لڑواتے ہیں اور کافروں سے بدتر بلکہ خالص وحشیانہ سلوک ان سے کرتے ہیں۔“

اس میں شک نہیں کہ کلیسیا ان باتوں کے کہنے کو برا سمجھتی ہے بلکہ بعض لوگ انکو مبالغہ سمجھتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ جو بھائی اور بدکاری اس نام کے مقدس دایرے کے اندر ہوتی ہو اسکا پورا پورا اظہار نہ ہی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ روزمرہ ہم امریکا اور انگلستان کی اخباروں میں پادیوں کی بدستی شہر بخوری اور زنا کاری کے قصے پڑھتے ہیں یہاں ہندوستان میں ہی ایک پادری صاحب جو بھڑکھانا اور بیٹھنے کا کام کرنا پسند کرتے ہیں پکڑے گئے تھے کہ انکے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ نیم لڑکیوں سے جو انکے سپرد عقیدتین بد فعلی کرتے رہے اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سترھویں غریب لڑکی تھی جسکی عفت پر حملہ ہوا اور اگر پادری صاحب اپنے وحشیانہ جذبات کو سوجھ بکھڑا کر محذور رکھتے تو کون انکے تقدس آب ہونے میں شک کر سکتا تھا۔ سو یہ گتہ ہوتا ہے کہ اصل حقیقت ظاہر ہو۔ انگلستان میں جو ایسے واقعات جہاں ہوئے ہیں انکے متعلق میری سوری لکھتی ہے ”جب عام

طور پر بدنامی کا سبب دلغ ایک پادری کے دامن پر لگتا ہے تو زیادہ شرم اور مایوسی اور افسوس کا مقام ہوتا ہے جب ہم ان طبقوں میں ان لوگوں کے حالات کو دیکھتے ہیں اور اکثر ایسے حالات ہمارے دیکھنے میں آتے رہتے ہیں جو بچائے زندگی کی پاکیزگی اور چال چلن کی صفائی کا نمونہ دکھانے کے لیے آپ کو اور اپنے اعلیٰ مرتبہ کو بدترین سبب کاریوں سے جو جاہل سے جاہل وحشی میں بھی بری معلوم ہوتی ہیں ذلیل کرتے ہیں تو سخت ہی افسوس اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ جسے یہ امید رکھتی تھی ہے کہ وہ غلط کار انسانوں کو سیدھی راہ پر لائیں ان کی اپنی یہ حالت ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں بہت سے آدمیوں کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو کلیسیا کا عمدہ داروں میں تھے اور جنہوں نے عمدہ شغلی اور بندستی سے عزت اور نیکی کے ہر ایک پاک قانون کو توڑا اور انکی یہ سبب کاریاں اور بھی سبب معلوم ہوتی ہیں۔ جب ہم انکے سفید چہروں میں بلکہ عقاید کو دیکھتے ہیں۔

روحانیت کی یہ گری ہوئی حالت کیوں پیدا ہوئی ہے اس لیے کہ دنیا اور دولت کی محبت بڑھ گئی ہے اور یہ ایسی بیماری ہے جو عیسائی ممالک میں اعلیٰ سے لیکر اگلے تک کو لگی ہوئی ہے یہ بالکل سچ ہے کہ انسان کے دلیں دو معبودوں کی محبت میں ہو سکتی۔ یا خدا کی پرستش کیلئے جگہ ہوگی اور یا دولت کے دیوتا کی پرستش کیلئے۔ عیسائی دنیا کی کل توجہ اور عقیدت اس وقت دولت کے بیج کر کے اور دنیوی آسائشوں کے حصول میں لگی ہوئی ہے چنانچہ کتاب زیر بیوی کی مصنف لکھتی ہے: "ایک نظر ان مبکروں کی طرف اٹھا کر دیکھو جو خداوند کے خادم کہلاتے ہیں۔ اور پلے درجہ کے خود پرست جھگڑالو لڑکے تنگ خیال ہیں یعنی پوپ اور اسکے بڑے بڑے عہدیدار یا کٹر بری کالٹ پادری۔ اور اسکے بشپ ڈیکن۔ ڈین اور چھوٹے چھوٹے عہدیدار۔ یہ لاکھوں فرقے اور یہ امیرانہ ٹھانڈے والے اور دنیا کے طلبکار جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نچیل کی وعظ کرنیکے لیے بلائے گئے ہیں ان سے پوچھو کہ تمہارے پاس تمہارے ایمان لائینکی کوئی شہادت ہے اور کوئی شہادت اس امر کی ہے کہ تم اسی آقا کے پیرو ہو جو عیاشی کو کبھی پسند نہیں کرتا تھا اور جس کے پاس سر رکھنے کیلئے بھی جگہ نہ تھی۔ اور تم عام لوگو! تم کیونکر یہ دعویٰ کر سکتے ہو کہ تم اس غیب اور معمولی انسان کے پرستار ہو جبکہ تم اپنی زندگی کے ہر ایک فعل سے یہ ثابت کر رہے ہو کہ تم زمین اور آسمان کی سب چیزوں سے زیادہ دولت سے پیار کرتے ہو اگر تم جو کروڑ ماروپے کے مالک ہو کبھی دین کیلئے خرچ بھی کرتے ہو تو صرف اس قدر اور اس غرض سے کہ تمہاری شہرت ہو اور تمہارا نام بڑا ہو۔ کیون تم اتوار کے دن اپنے منافق سرور کو سیو کے نام کے آگے جھکاتے ہو جو بظاہر ایک بڑھئی کا بیٹا تھا اور بڑھئی کا کام کرتا تھا اور حالانکہ تم ایسے کام کرنے والوں اور مزدوری پیشہ لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو اور جب فقیر تمہارے دروازے پر آتا ہے تو اسے لات مار کر نکال دیتے ہو۔ بدکاری کے پھیل جانے کو عیسائی اور غیر عیسائی سب سے مانا ہے مگر اس کتاب کی مصنف اعلیٰ درجہ کی سائنس میں اسکے بہت ہی پھیل جانے پر نہایت افسوس کرتی ہے۔ مگر تمدن کے دایرے میں سب سے بڑی بد بختی یہ ہے

کہ بدکاری کا ارتکاب دن بدن زیادہ کھلے طور پر ہوتا شروع ہو گیا ہے اور معاہدہ نکاح سے نہایت بھجائی کی سزا پر دہائی دکھائی جاتی ہے اس بائیں انگریزوں کے سب سے اعلیٰ طبقہ کی سوسائٹی سب سے بڑھی ہوئی ہے اور اس زمانہ کی سب سے بڑی مثالیں اس میں ملتی ہیں۔ یورپ یا امریکہ میں جو کچھ ہی کہ خدا سے دوری اور زندگی کی زندگیاں بسر کی جاتی ہوں ہمیں کہنا یہ ماننا پڑتا ہے کہ گریٹ برٹن میں وہ لوگ موجود ہیں جو تاریخی طور پر اپنے ناموں کی عزت اور اپنی وجاہت کے سب سے تمام ملک میں مشہور ہیں جو اپنے گھر میں اپنی بیویوں سے زنا ہوتا ہوا دیکھ کر بھی نہایت بردلی سے خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ اور دوسروں کے لڑکوں کو اپنے لڑکے تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ان کو خوب علم ہوتا ہے کہ وہ بچے ولد الزنا ہیں۔ ہم نے ایک بڑے ذی رتبہ امیر کا حال سنا ہے جو ایک دوسرے آدمی کی عورت سے زنا کرتا تھا اور جب اس بات کا چرچا عام ہو گیا تو دیوث خاوند نے اس بھجائی پر پردہ ڈالنے کے عوض ساٹھ ہزار پونڈ کی رقم قبول کی اور اسی بات پر بالکل خاموشی ہو گئی۔ اور اب وہ دونوں فریق اعلیٰ درجہ کی سوسائٹی میں اس سے بھی زیادہ عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جیسے کہ وہ پاک اور بے عیب ہونیکے حالات میں دیکھے جاتے اس لیڈی کی تصویر جسکی زنا کاری کی قیمت ساٹھ ہزار پونڈ لی گئی تھی با تصویر تحریر دن میں عموماً دیکھی جاتی ہے اور اسکے نیچے یہ موزون الفاظ درج ہوتے ہیں کہ وہ عفت اور پاکیزگی کی ایک مبسم تصویر اور سفید کبوتری ہے۔ اس بھجائی کے قصے میں اصل ملزموں سے بھی بڑھ کر وہ فیشنبل لوگ قابل الزام ہیں جو انکے اس حال چلن کو اسکے علاوہ اس کتاب میں اور بہت سی چھوٹی چھوٹی بیویوں کا ذکر ہے جیسے مہمان نوازی کا مفقود ہونا گھر کے اندر کی خوشحالی کا زوال۔ فاخرہ لباس کا جنون۔ عورتوں کا اجرت دیکر اخباروں میں اپنے متعلق یہ شائع کرنا کہ فلاں عورت نہایت خوبصورت اور جوان اور دل فریب ہے اخباروں کی گندہ حالت جو کاملہ نپر کالم ہی بیان کرنے میں سیاہ کر دیتی ہیں کہ فلاں ناچ یا عیش کی مجلس میں فلاں عورت کا لباس ایسا اعلیٰ اور ایسا چمکیلا اور ایسا دلکش تھا اور اسنے فلاں فلاں جواہرات یا زیورات پہنے ہوئے تھے۔ دولت اور دنیا کی محبت۔ وغیرہ وغیرہ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمام بریاں انہیں دو کے فروغ میں جو میں نے ابتدا میں بیان کی ہیں اور اس لیے اپنے تفصیل سے لکھنے کی کچھ حاجت نہیں۔ اگر وہ دو عیب دور ہو جائیں یعنی ایمان اور اخلاق کا زوال تو چھوٹے چھوٹے نقص خود ہی دور ہو جائیں گے۔ درحقیقت وہ چیز جسکی اس وقت مذہب سوسائٹی کو سخت ضرورت ہے وہ خدا نیتا ہے پر پاک اور سادہ اور یقینی ایمان ہے۔ وہ ایمان جس کی روشنی کی شعاعیں ہر ایک ظلمت کو دور کر دیں اور دل کو تمام بد خواہشات سے پاک کر دیں۔ وہ ایمان جو زندہ اور طاقتور خدا کا چہرہ اسی دنیا میں دکھلاوے۔ جیتک انسان کے پر ایسا ایمان پیدا نہ ہوگا اور اس پاک ذات کے ایسا مضبوط اور خالص تعلق نہ ہوگا۔ حقیقی پاکیزگی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مغربی دنیا کا مذہب رواجاً اسکو عیسائی مذہب ہی کہلو۔ خدا نیتا ہے پر ایسا ایمان پیدا کرنے اور اسکے

ساتھ ایسا تعلق قائم کرنے اور اسکی ایسی محبت اور عظمت دل میں قائم کر نیے قاصر ہے اور یہی جڑ سب بدکاریوں کی ہو دنیا میں دوسری قسم کی کشش ہو یعنی ایک خدا کی اور دوسرے دنیا کی محبت اور آسائش اور روپے کی کشش۔ عیسائی دنیا اسوقت بکلی اس دوسری کشش کے نیچے آئی ہوئی ہے اور تمام انفعال میں اور اقوال میں اور ارادوں میں انکے مد نظر دنیا اور دنیا کی آسائش ہی ہے۔ اسیلئے یورپ میں سوسائٹی کی یہ حالت ہے جس سے خدا کا تعلق بالکل کٹ چکا ہے اور دنیا کا تعلق دن بدن بڑھ رہا ہے۔ خدا کا نام اتوار کے دن وعظ میں لینے کیلئے رکھا ہوا ہے اور دل میں خدا کی محبت بالکل نہیں کیونکہ دل دنیا کی محبت کے پیر ہے اور خدا کی محبت کے لئے اس میں کوئی جگہ خالی نہیں۔

اگر کوئی یورپ میں طالب حق ہے تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ صرف اسلام ہی وہ پاک مذہب ہے جو دل کو گناہ اور جذبات سے آزاد کرتا ہے اور اس دنیا کی محبت کی آگ پر پانی ڈالتا ہے یہی وہ مذہب ہے جو خدا کی راہ دکھاتا ہے اور انسان کو ان تمام برکات کا وارث بنا دیتا ہے جو پہلے راستنماز و گود گئی تھیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسلام ہی وہ ایک مذہب ہے جو گناہ سے نجات کا سچا راہ بتاتا ہے اور وہ راہ یہ ہے کہ وہ اپنی عجیب تاثیر والی تعلیم سے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر خارق عادت نشا نوٹنے اور دعاؤں کی قبولیت کے ذات باری پر وہ پختہ اور یقینی ایمان پیدا کرتا ہے جسکے سامنے بدی کی طاقت کمزور ہو کر نابود ہو جاتی ہے کیونکہ جب انسان اس یقینی ایمان سے جسپر اسلام اسکو پہنچاتا ہے یہ جانتا ہے کہ خدا ہی جو دل کے بھید و کمالات کو جانتا اور انسان کو اسکی بدکاری اور احکام الہی کی خلاف ورزی پر گرفت کر سکتا ہے۔ اور اسکی طاقت کے مقابل سب طاقتیں ہتھیار ہیں تو وہ کبھی نہ خفیہ و نہ ظاہر اسکی خلاف ورزی میں قدم رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اسنے ایسا کیا تو خدا کے غضب کی آگ اسکو بھسم کر جائیگی۔ یہ وہ پاک اور مضبوط ایمان ہے جسکی اسوقت یورپ کو بلکہ کل دنیا کو ضرورت ہے اور اسکے سوا کئے دنیا کی نجات کہیں نہیں۔

## زلزلوں کی پیش گوئیاں

ولایت کے میگزین آکٹ ریویو میں ایک مضمون ۴ اپریل ۱۹۰۷ء کے زلزلے کے متعلق شائع ہوا ہے جس میں یہ لکھا گیا ہے کہ زلزلے عموماً چاند گرہن یا سورج گرہن کے بعد آتے ہیں اور فلان فلان ستارے فلان فلان برج میں ہوں تو اسوقت آتے ہیں چنانچہ یہ دعوے کیا گیا ہے کہ اسی بنا پر زڈیکل کی ہنتری میں جو اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ لکھا گیا تھا کہ ۴ درجہ طول بلد کے قریب پانچ کے اخیر اپریل کے ابتدا میں ایک تیز دھک زلزلہ کا محسوس ہو گا۔ میں اس وقت یہ بحث نہیں کروں گا کہ آیا واقعی سیاروں کا کوئی اثر زمین پر ہے یا نہیں اور اس اثر سے زلزلے



پیدا ہو سکتے ہیں یا نہیں بلکہ میں ایک اور امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ زلزلہ کی جنتری اکتوبر ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی اور اس میں کسی ملک کا نام نہیں کہ فلاں ملک میں زلزلہ آئیگا۔ اسی طول بلد یعنی ۴۷ درجہ میں بہت سے ممالک واقع ہیں اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اصل مرکز زلزلہ کا جہان اس کی بتا ہی سب سے زیادہ ہوئی ہے گنگوہہ تھا جو ۷۶- اور ۷۷ درجہ طول بلد شرقی کے درمیان واقع ہے۔ اس جنتری کی اشاعت کے دس ماہ پہلے ایک شخص نے خدا سے الہام پا کر یہ اخبار میں شائع کیا تھا کہ ایک دھک زلزلہ اس ملک میں محسوس ہو نیوالا ہے اور پھر اس پہلی اشاعت کے پانچ ماہ بعد یعنی اس جنتری سے پانچ ماہ پہلے یہ پھر شائع کیا کہ اس ملک کے ایک بڑے حصہ میں مکانات بالکل زمین سے بجا گئے اور نیست و نابود ہو جائینگے جیسا کہ الہام الہی عفت الدیار محلہا و مقامہا سے پایا جاتا ہے (مفضل ان پیش گوئیوں کے لیے دیکھو نمبر ۵ و نمبر ۴) یہ عجیب بات ہے کہ سیاروں کے اثر کے لیے تو لوگوں کو بہت توجہ ہے اور اس قسم کے بیانات کو بغیر سوچے سمجھے قبول بھی کر لیتے ہیں مگر وہ امر جس سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے تصرف تمام اور علم کامل اور قدرت کاملہ پر ایک یقینی اور قطعی ثبوت ملتا ہے اسکی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ اس کا ذکر بھی کیا جائے تو پیچھے پھیر دیتے ہیں۔ کیا الہام الہی میں قبل اس کے کہ سیاروں کا اجتماع معلوم ہو سکے یا جنتری میں شائع ہو۔ زلزلہ کی خبر نہیں دی گئی۔ اور پھر زلزلہ کی جنتری کی خبر ہے بھی مہمل کیونکہ اس میں صرف استقدر لکھا ہے کہ ایک تیز دھک زلزلے کا محسوس ہو گا مگر تیز دھکے دنیا میں ہمیشہ اور ہر ملک میں کم و بیش آتے ہی رہتے ہیں مثلاً مایریل کے پنجاب کے زلزلے کو کیا خصوصیت ہے یقینی طور پر تیز دھکے نیوز لینڈ بندر عباس۔ سوئٹزر لینڈ۔ فرانس۔ اٹلی۔ ویلز۔ ترکی وغیرہ ممالک میں محسوس ہوئے جن میں سے کوئی بھی اس طول بلد پر واقع نہیں جس کا ذکر زلزلہ کی جنتری میں ہے اور نہ ہی یہ تیز دھکے اس وقت پر محسوس ہوئے۔ ایسا ہی تیز دھکے زلزلے کے ۴- اپریل کے بعد کئی دفعہ محسوس ہو چکے ہیں اس لیے تیز دھکے کہہ دینا کوئی علم نہیں دیتا۔ مگر خدائے عالم الغیب نے جو وحی کی اس میں نہ صرف زلزلہ کا تیز دھکے ہی بتایا گیا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس قسم کا زلزلہ ہو گا کہ ایسا پنجاب میں پہلے کبھی نہیں ہوا جس سے ایک حصہ ملک پنجاب میں عمارتیں ہی نیست و نابود ہو جائیں گی۔ اب یہ وہ بات ہے جس پر کوئی انسانی عقل حاطہ نہیں کر سکتی خالی تیز دھکے کتنا ایک مبہم لفظ ہے مگر وحی الہی نے کوئی ابہام باقی نہیں چھوڑا بلکہ ایسے صاف الفاظ میں زلزلہ کی کیفیت کو بیان کر دیا جس سے ہر لفظ صافی ممکن نہیں علاوہ ازیں ان امور کو کسی منجانبہ تحقیقات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ اگر جنتری سے ایک سال کے قریب پہلے یہ وحی شائع ہو چکی تھی پس اگر زلزلہ کی جنتری میں شائع شدہ بیان سے سیاروں کا کوئی اثر زمین پر ثابت ہوتا ہے تو اس وحی الہی سے نہایت ہیں اور واضح دلائل اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پیدا ہوتے ہیں بکاش دنیا غور کرے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب جب منجم اور علم زلزلہ کے ماہر دو سو سال تک اس ملک میں کسی زلزلہ کے تینے انکار کر چکے ہیں وحی الہی اب بھی یہ خبر دیتی ہے کہ آئندہ ابھی کوئی اور مصیبت پہلی سے بھی بڑھ کر آئیوانی ہے۔ یہ کس قدر بین دلائل میں مگر جہان لوگ زمینی علوم کی طرف جھٹکے ہوئے ہیں خدا کی باتوں کی طرف انکو دھیان نہ کرنا بھی مشکل ہوتا ہے +

**رُویا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام**

۲۔ جون سنہ ۱۸۷۰ء۔ اروپا۔ ایک بڑا دریا ہے۔ اس میں سے کوئی چیز نکلی جس میں سے شعلے نکلے ہیں اور وہ چیز اس طرح میرے سامنے آئی جیسے دریا بطور نختہ کے کوئی چیز پیش کرتا ہے اسے مینے لے لیا تو وہ ایک ٹوپی مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی تھی اور مینے اسے سر پر رکھ لیا اسکے بعد پھر ایک اور چیز دریا نے پیش کی جو مچھلی کے چمڑے کا بنا ہوا ایک چغہ ہے وہ بھی مینے لے لیا۔ (فرمایا دریا سے مراد کوئی بڑا ذیشان آدمی یا اہل علم و فضل و کمال ہوتا ہے اور اسکے تحفہ دینے سے مراد حلقہ خادموں میں داخل ہونا یا معتقد ہونا یا راجع لانایا مالی خدمت کرنا ہے) (والہ اعلم)

۱۲۔ جولائی سنہ ۱۸۷۰ء۔ الہام۔ روحانی عالم کا دروازہ تیرے پر کھولا گیا۔ فبصرک الیوم حدید۔

۲۶- " کنت کثرًا مخفیًا فاجبت ان اعرف - ترجمہ میں مخفی خزانہ تھا پھر میں نے

جی ہاں۔ میں پہچاننا چاہوں۔

فرمایا صفات الٰہیہ کا ظہور ہے کسی زمانہ میں کوئی ایک صفت ظاہر ہوتی ہے اور کسی زمانہ میں پوشیدہ رہتی ہے۔ جب ایک اصلاح کا زمانہ دور پڑ جاتا ہے اور لوگوں میں خدا شناسی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ پھر اپنی معرفت کو ظاہر کر نیکے واسطے ایک ایسا آدمی پیدا کرتا ہے جسکے ذریعہ سے اسکی معرفت دنیا میں پھیلتی ہے لیکن جس زمانہ میں وہ مخفی ہوتا ہے اس زمانہ عابد و نکی عبادۃ اور زاہد و نیکے زندہ بھی ادا ہو رہے اور نکتے رہ جاتے ہیں۔ یہ الہام براہین احمدیہ میں بھی درج ہے لیکن اب پھر اس کخاص طور کا وقت معلوم ہوتا ہے اس واسطے دوبارہ یہ الہام ہوا ہے +

۲۹ جولائی سنہ ۱۴۰۶ء - ”محمد مفلح“ (اس الہام میں حضرت مسیح موعود کو اس نئے نام سے خطاب کیا گیا ہے)

۳۔ اگست۔ پہلے رویا دیکھی کہ ایک لٹافہ کسی نے دیا ہے اس میں سے دو چار پیسے نکلے ہیں۔ پھر ڈھکیے سامنے رکھے ہوئے بہت سارے ہو گئے ہیں۔ اسکے بعد الہام ہوا:۔ ”بیت کے لیے میرا نام چمکا“

## یہودی

**بست سوال۔** شیخ الدین صاحبی واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور نے عیسائی مذہب پر میں مضبوط اعتراض کیے ہیں اور ان کا جواب عیسائی صاحبان سے طلب کیا ہے۔ ۲۰ صفحے۔ قیمت ۱/۰  
**سائنس و تعلیم۔** ایک نیا ماہوار رسالہ جولائی ۱۹۷۹ء سے لاہور سائنٹفک و ٹیکنیکل ورکشاپ کی طرف سے نکلتا شروع ہوا ہے۔ اسکے ایڈیٹر لال بھاٹیہ بی ایس سی ہیں غرض سائنس کی اشاعت ہے۔  
قیمت سالانہ ۱۲/- مبعہ انگریزی ضمیمہ۔ عہد

**عصر جدید۔** اس ماہوار رسالے کا جواڑھائی سال سے جاری ہے جولائی کا پرچہ بغرض ریو پو موصول ہوا ہے۔ اس پرچے میں مختلف اہل علم اصحاب کی قلم کے مضامین مسلمانوں کی اصلاح کے متعلق ہوتے ہیں کاشکہ وہ اصلاح کی اس پٹری پر ہوتے جیسے ربانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چلایا تھا۔ اسکے ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے ہیں۔ ۲۰ صفحے قیمت ۸/- سالانہ۔

**مصادر مرکبہ۔** معروف بہ مرتفع اردو۔ مصنفہ مولوی محمد عبد المجید خاں صاحب رامپوری۔ اس کتاب میں قاضی مصنف نے اردو زبان کے محاورات کو جمع کیا ہے اور ہر ایک محاورہ کی سند میں اشعار پیش کیے ہیں۔ مدرسوں اور طالب علموں کیلئے نہایت مفید کتاب ہے۔ پہلا حصہ چھپ چکا ہے جس کی قیمت ۲/- ہے اس کی چند کاپیاں مدرسہ تعلیم الاسلام کے بک ڈپو میں موجود ہیں سچ صاحب چاہیں منگو کر دیکھ سکتے ہیں۔

**حیرت کی حیرانی۔** منشی عبدالعزیز صاحب کلارک دفتر منہرجن غربی دہلی نے مرزا حیرت ایڈیٹر کرنل دہلی کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو بذریعہ انجمن انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیے۔

اور جو جو دھوکا دہی مرزا حیرت نے کی ہے اسے بڑی قابلیت اور محنت سے کھوکھو کر دکھایا ہے۔ بڑی خوبی ہے کہ ان کے تمام اعتراضوں کا جواب انکی ہی تحریر دئے دیا ہے۔ ساڑھے نو جزو کا سالانہ قیمت صرف ۵/-

اجاب متعدد کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کریں اور رسالہ کی اشاعت میں منشی صاحب موصوف کو مدد دیں  
دوسرا حصہ اس کتاب کا زیر تصنیف ہے جس کی قیمت ۲/- ہے +

# ہمارا مدرسہ

ہمارے احباب کو بھی آگاہ کیا کہ اس بات کی طرف توجہ نہیں ہوئی کہ قادیان میں مدرسہ قائم کر سکی اصل غرض کیا تھی اور وہ کس حد تک پوری ہو رہی ہے اس وقت ہمارے بورڈنگ ہوس میں چالیس لڑکے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس دو یا تین لاکھ کی جماعت میں کل یہی چالیس لڑکے ہی مدرسہ جائیکے قابل ہیں افسوس سے کہنا پڑے گا کہ یہ جماعت کے پڑھنے والے بچوں کا سوانح حصہ بھی نہیں۔ پھر میرے دوستوں کو قدر افسوس کی جگہ ہے کہ آپ کا امام اپنی زندگی میں اپنے سامنے آپ لوگوں کے بچوں کے لیے ہاں انہی بنی اور ساتھ ہی دنیوی بہبودی کیلئے بھی ایک مدرسہ قائم کرے اور آپ لوگ اپنے اپنے شہروں کے مدرسوں کو اسپر تریج دین لگے اس مدرسہ کے قائم کر سکی یہ غرض نہیں کہ اپنی جماعت کے کل بچے اس جگہ تعلیم پاویں تو اس مدرسہ کا رکھنا بالکل فضول ہو اور ایک دکھاوے سے بڑھ کر اسکی کوئی وقعت نہیں۔ پھر کیوں ایک دکھاوے کی خاطر قوم پر استقدر بوجھ پڑے۔ اگر بورڈنگ ہوس میں جا کر بورڈرو کی تختیوں کو دیکھو اور یہ تلاش کرنے لگو کہ لاہور امرتسار اور سیالکوٹ جیسے عظیم الشان شہروں میں سے کس قدر بچے یہاں تعلیم کیلئے آئے ہیں تو اس تکلیف کے اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ ایک بھی لڑکا نہیں کیا اس طرح سے قوم قوم بنی گیا احمدیوں کی نئی نسل جو دنیا کے لئے بطور مادی اور ذہنی بھڑائی ہے اس طرح سے پیدا ہوگی کہ ہمارے بچے بھی دوسرے مسلمانوں ہندوؤں عیسائیوں کی طرح انہیں مدرسوں میں دنیا کے بیڑے بنے رہیں اور دین کا خیال بھی ان کے نزدیک نہ آئے کیا دین کو دنیا پر ہی ترجیح ہے کہ آپ لوگ اپنے بچوں کو تعلیم کیلئے بھی یہاں نہیں بھیج سکتے حالانکہ معمولی دنیوی تعلیم بھی انکو بیان دیتی ہے کہ قدر افسوس کا مقام ہو کہ وہ انسان ہمارے درمیان موجود ہو جسکی نسبت تمہارا ایمان ہو کہ وہ وقت بھی آئیے گا کہ بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے اور تم اپنے بچوں کو اس کے فیض صحبت اور اس کا چہرہ دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو لوگ خود یہاں آکر نہیں رہ سکتے ان کے لیے کیسا عمدہ موقع تھا کہ وہ اپنے بچوں کو یہاں بھیج دیتے۔۔۔۔ اگر قوم متفق ہو کر اپنے بچوں کو ایجا تعلیم دینے پر آمادہ ہو جاوے تو چند دنوں میں ہی چالیس سے چار ہزار تک بورڈرو کی تعداد پہنچ سکتی ہے اور انہی فیسوں سے جواب دہ مدرسوں میں دیجاتی ہیں اعلیٰ درجہ کا سکول اور بورڈنگ ہوس ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان کالج تیار ہو سکتا ہے یہ وقت کام اور ترقی کا ہو سو غور کرو اور اتفاق سے وہ نمونہ قائم کر کے دکھاؤ جو دنیا کی قوموں کو حیران کر رہا ہے۔ جس طرح بنی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دنیا کو حیران کر دیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جن مساکین اور یتیموں کی پرورش اس مدرسہ میں کی جاتی ہے انکی مدد کر کے بھی حصول ثواب کے مستحق ٹھہرو۔ یہ دو دین مستقل آمد کا ذریعہ چاہتی ہیں کیونکہ ان کا خرچ اس وقت شروع ہو پے ہمارے

حکیم فضل دین صاحب نے اپنے مطبع ضیاء الاسلام میں مینچرنگ میں کیلئے چھاپا +

م لوگوں کے دلوں میں لان باؤنگوڑا اے اور اس سلسلہ کی خدمت کے لئے ہم تن مصروف کر رہے ہیں اللہ جس کی سکرٹری مجلس منتظرہ مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان +

درست ہو چکا ہوا ہے۔ اگر کوئی اور خیالات صدقات کاروبار میں سب ان دو دین میں دیا جائے تو جو وہ سے کتنی چوٹی اتنا مساکین اور یتیموں کی کیسا بڑا کام ہو سکتا ہے